

عفت سحر طاہر

دل و دماغ میں بھونچال سا اٹھنے لگا تھا۔ ایک عمر کی کرو اتنی آسانی سے چھٹنے والی نہ تھی۔ اپنے خون کو بھی بے غیرت سمجھ لیا تھا۔

ایک سفاک باپ کی شکست خوردہ کہانی

"کتنی ویرانی اور سکوت ہے اس علاقے میں، جیسے یہاں کوئی رہتا ہی نہ ہو۔" وہ خاموشی اور ایک جیسے مناظر سے گھبرا کر اس نے جھرجھری لی تھی۔ پہاڑی سفر اور گہری ہوتی شام کے باعث احتیاط سے گاڑی ڈرائیو کرتے اجلال نے بہت شرارت سے اسے دیکھا۔

"کیا خیال ہے گاڑی یہیں روک دوں؟ میری اطلاع کے مطابق ایسی جگہیں ہنی مون کے لئے آئیڈیل ہوتی ہیں۔ ہر طرف تنہائی ہی تنہائی۔" اس کے اس قدر غیر متوقع جملے پر اسے جسم کا تمام خون چہرے کی طرف دوڑتا محسوس ہوا۔

"تم توجہ دھیان سے گاڑی ڈرائیو کرو۔" وہ بمشکل بولی تو اجلال نے محظوظ ہوتے ہوئے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔

"میں تو پوری توجہ [illegible] تمہاری طرف ہے اور ڈرائیو [illegible] ہو رہی ہے۔"

وہ جانتی تھی کہ وہ اسے ایسی باتوں سے بھی روک نہیں سکتی اس لئے بات بدل گئی۔

"اور کتنی دور رہ گیا ہے جعفر کا گاؤں؟"

"وہ جعفر نہیں میر جعفر۔" اجلال نے ہمیشہ کی طرح کرہ لگائی تو وہ تاسف بھری نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

"دوستوں سے متعلق ایسے ریمارک نہیں دیتے۔"

"جو حکم۔" وہ فوراً فرمانبرداری سے بولا تو وہ مسکراہٹ دبا کر پوچھنے لگی۔

"اب جلدی سے بتا دو کہ باقی کتنا فاصلہ رہ گیا ہے؟"

"شرم کرو۔ تم ایک نئے نویلے دولہا کے ساتھ پہلا سفر کر رہی ہو اس قدر بیزاری تو نہ دکھاؤ۔"

اس کے الفاظ پر پل بھر کو وہ جھینپ گئی۔

"میں سیدھی بات کر رہی ہوں تم تو ہر بات [illegible] چکر دے رہے ہو۔"

وہ اس کے ساتھ بحث کو عبث جان کر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔

"ابھی تو صرف چھ بجے ہیں۔ اور اتنا اندھیرا پھیل گیا ہے۔"

اس کے پر تفکر انداز پر اجلال نے ساری ذمے داری اسی پر ڈال دی۔

"یہ سب تمہارا قصور ہے۔ تم وہاں اپنی اوری سے لپٹی رونے کا شغل پورا کر رہی تھیں۔ اصولاً ہمیں دو گھنٹے پہلے چلنا تھا وہاں سے۔"

اجلال کی شریر لہجے میں کہی بات نے اس کے دل میں ایک سناٹے اتار دیے۔ اس کے ساتھ کئی انمول خوشی بد تھم رونے لگی۔ آنکھوں کے سامنے بی بی جان کا مشفق چہرہ گھومنے لگا۔ پھر علی شاہ تھا اس کا جان سے پیارا بھائی، جاہ و جلال والے بابا سائیں، اور انہی جیسے ادا کبیر اور ادا عمر تھے۔

"کیا پتہ پھر بھی ملیں نہ ملیں۔" خود پر بہت ضبط کرتے ہوئے بھی اس کی آنکھیں چھلک گئیں۔

"مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے اجلال۔ ہم نے کچھ غلط تو نہیں کیا نا؟" اس کی بھرائی ہوئی آواز سے چھلکتا خوف اور خدشات اجلال سے مخفی نہیں تھے۔ اس کے برعکس وہ بہت رسان سے بولا۔

"دنیا کے کسی بھی قانون میں بالغ لڑکے اور لڑکی کی شادی کو غلط قرار نہیں دیا جا سکتا۔"

"لیکن وہ سب یوں تو شادی نہیں کرتے۔" اس کے لہجے میں مخفی شکوہ اجلال کو بہت محسوس ہوا تھا۔ سیدھی سڑک پر گاڑی ڈالتے ہوئے اس نے اسپیڈ قدرے آہستہ کر دی۔

"کیوں بھئی، ہماری شادی کو کیا ہوا ہے؟ ملیحا یا [illegible]" اس کی ذہنی [illegible] کرنے لگے۔

"[illegible] کے موڈ میں نہیں ہوں اجلال۔" [illegible] "سنجیدہ ہو کے [illegible] بالکل حق پر ہیں۔ پھر تم کیوں ٹینشن لے رہی ہو؟"

"بابا سائیں مجھے کبھی معاف نہیں کریں گے۔"

اس کا شکست خوردہ لہجہ اجلال کو ستا گیا۔

"اور وہ جو کر رہے تھے وہ کیا معاف کرنے کے قابل تھا؟"

اس کے تلخ انداز پر وہ چند لمحوں کے لیے خاموش رہ گئی۔

"پتہ نہیں حویلی کے قانون کب بدلیں گے؟" اس نے تھک کر سیٹ سے پشت لگا لی تھی۔

"یہ سب تم لڑکیوں کی بزدلی ہے جو قوانین اور ظلم اور رسومات کی بھینٹ یوں خاموشی سے چڑھ جاتی ہو۔ ورنہ حویلی کے قوانین ہی ہیں خدائی قوانین تو نہیں کہ بدلے نہ جا سکیں۔" اس کے شکست خوردہ انداز پر وہ سلگ کر بولا۔ "اس قدر جاہلانہ رویہ، کم از کم اس طبقے میں تو نہیں، ذرا عقل سے کام لینا چاہیے۔"

"بابا سائیں کہتے ہیں کہ سید سب سے افضل ہوتے ہیں۔ پھر غیر سید ان سے رشتے کیسے جوڑ سکتے ہیں۔ اس لیے اگر خاندان میں ڈھنگ کا رشتہ نہ بھی ہو تو بے جوڑ شادیاں کرنا پڑتی ہیں۔" وہ بے حد سادگی سے بولی۔

"ہم سب ایک نبی کی امت ہیں۔" وہ تیز لہجے میں کہنے لگا۔ "اور پھر انسان کو ذات برادری کے باعث ایک دوسرے پر فضیلت ہے یہ کہاں لکھا ہے؟ جب اعمال ہی اس قدر فضول اور کراہت آمیز ہوں تو پھر انسان چاہے سید ہو یا شیخ کوئی فرق نہیں پڑتا۔"

"یہ تو تم کہتے ہو نا۔" وہ پھیکی مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھنے لگی۔

"کبھی تم حویلی آتے تو میں تمہیں دکھاتی۔ ادا عمر کی بیوی ان سے بارہ سال بڑی ہے اور ادا کبیر اپنی بیوی سے دگنی عمر کے ہیں مگر نبھا رہے ہیں۔"

"اور وہ جو دونوں نے ایک ایک اپنی پسند سے شادی کر رکھی ہے وہ؟"

اس کی دی گئی اطلاعات کے پیش نظر وہ تیوری چڑھائے پوچھ رہا تھا۔

"کیا اس عمل سے سیدوں میں ملاوٹ نہیں ہوتی؟"

"حویلی کے مردوں کو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ چاہے وہ کسی غیر مذہب ہی کی لڑکی سے کیوں نہ بیاہ کریں۔ کیونکہ اصل مقام خاندانی بیوی کو ہی ملتا ہے۔ اولاد بھی صرف خاندانی بیوی سے جنم لیتی ہے۔ باقی تو بس۔" وہ کہتے کہتے جھجک کر رک سی گئی۔

"واہ کیا اصول ہیں۔" وہ تمسخرانہ انداز میں بولا۔

"مردوں کا تمام خوشیوں پر حق ہے اور عورتوں کی دفعہ اپنی اعلیٰ و ارفع اقدار کی پاسداری یاد آجاتی ہے۔ حد ہوتی ہے جاہلیت کی۔" اس نے برہمی سے سر جھٹکا تھا۔

"اب تو کسی کو احساس بھی نہیں ہوتا کہ یہ ظلم ہے یا نہیں۔" اس نے پھیکے لہجے میں کہا تو وہ لب بھینچ گیا۔ وہ کسی باہر اندھیرے میں جھانکتی کہہ رہی تھی۔

"اسی لیے بابا سائیں نے لڑکیوں کے پڑھنے کو بھی معیوب نہیں سمجھا۔ کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ وہ جب چاہیں ان کے پر کاٹ سکتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ وہ چاہے لڑکیوں کو کتنی بھی آزادی کیوں نہ دیں، آخری فیصلہ بہرحال انہی کا ہوگا۔ اور 'اور' میں نے باقی سب کے راستے بھی بند کر دیے۔" اس کی آواز میں بے حد تاسف اور تھکن اتر آئی۔

"بالکل غلط۔ میں تم سے ایک فیصد بھی متفق نہیں ہوں۔" اجلال نے بے حد اٹل انداز میں اس کی نفی کی تھی۔

"مگر اب وہ سب اپنی لڑکیوں کو کبھی پڑھنے کی اجازت نہیں دیں گے۔" وہ تھکے ہوئے انداز میں سر سیٹ پر ٹکتے ہوئے بولی۔

"اگر پڑھ لکھ کے بھی انہیں ایسے گھٹیا فیصلوں پر سر جھکانا ہے تو لعنت ہے ایسی پڑھائی پر۔ اس سے بہتر [illegible] جو تم ہو [illegible] نے اس طرح خاموشی سے سر جھکا کر وہ اس گھٹیا رسم کو پروان چڑھانے کا موجب بن رہی ہیں۔ تم جو سمجھ رہی ہو کہ تم نے یہ قدم اٹھا کر غلط کیا ہے تو تم غلط سوچ رہی ہو۔ تمہارے اس اقدام سے سب کے ذہنوں کو جھٹکا لگے گا۔ سب کو اندازہ ہوگا کہ یہ رسومات غلط ہیں۔ تعلیم حاصل کر کے بھی اگر تم بارہ سال کے بچے سے بیاہ دی جاتیں تو کس کام کی ہوتی وہ تعلیم؟ تعلیم شعور دیتی ہے اور شعور صحیح اور غلط کی پہچان کراتا ہے۔ اپنا حق استعمال کرنا سکھاتا ہے۔ تم لوگ چپ چاپ ان غلط فیصلوں اور روایات کی بھینٹ چڑھتے ہوئے ایک قطعی غلط رسم کو پروان چڑھا رہی ہو۔ تمہاری اوی زرینہ کو ہی دیکھ لو۔ اس قدر خوبصورت اور پڑھی لکھی ہیں مگر تمہارے بابا سائیں نے انہیں اپنی عمر کے شخص سے بیاہ دیا۔ کیا زندگی ہے ان کی؟ وہ تو خدا کا شکر ہے کہ اوی زرینہ حویلی والوں کی طرح قدامت پرست اور تنگ ذہن نہیں۔ اور انہی کی بدولت آج تم ماہ دولت کے پہلو میں بیٹھی محو سفر ہو۔" تلخی اور سختی سے کہتے ہوئے اسے اپنے لہجے کا احساس ہوا تو آخر میں وہ قدرے مسکرا دیا۔ مگر اس کی زرد رنگت نہیں بدلی۔

"اجلال! اگر بابا سائیں کو پتہ چل گیا تو وہ ہم دونوں کو زندہ نہیں چھوڑیں گے۔" وہ بے حد خوفزدہ تھی۔ "میں نے ان کے اعتماد کو دھوکا دیا ہے۔"

"ربش۔" اس کے آخری جملے پر اس نے برہمی سے سر جھٹکا تھا۔

"اور وہ جو کر رہے تھے کیا تمہارے اعتماد کو دھوکا دینے والی بات نہیں تھی۔ ایک ایم اے لڑکی کو بارہ سال کے بچے سے بیاہ رہے تھے وہ بھی محض اس لیے کہ اس کے جوڑ کا کوئی لڑکا خاندان میں نہیں اور گھر کی جائیداد گھر ہی میں رہے۔ نری جہالت ہی نہیں بلکہ ایک بہت شرمناک بات ہے۔"

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن۔ مجھے ایک بار علی بھائی سے بات کر لینا چاہیے تھی۔ انہیں ابھی اس سارے معاملے کا پتہ نہیں تھا۔ ورنہ وہ تو ایک ہنگامہ کھڑا کر دیتے۔"

وہ مسلسل الجھی ہوئی تھی۔ کبھی ایک خدشہ ستانے لگتا اور کبھی دوسرا واہمہ سر اٹھاتا۔

"کتنا ہنگامہ کرتے کیا فرق پڑتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہی ہوتا کہ وہ بجائے تمہیں بیاہنے کے تمہارا حق

دیتے۔" وہ تمسخرانہ انداز میں بولا تو وہ چپ ہو گئی۔ اجلال کو فوراً ہی اس کی ذہنی حالت کا احساس ہونے لگا۔ اس نے جو قدم اٹھایا تھا وہ بہت بڑی بات تھی۔ اس پر وہ اس سے قابل رشک برداشت کی بھی توقع کرتا تو یہ فی الحال بالکل غلط بات ہوتی۔

"اچھا اب منع بھی کرو اس سارے معاملے کو ہم نے بالکل جائز طریقے سے نکاح کیا ہے پھر کس بات کی فکر ہے۔ تمہاری اوی میری ماما اور ہمارے کتنے ہی فرینڈز موجود تھے۔ غلط تو کچھ بھی نہیں ہوا۔" وہ ہلکے پھلکے انداز میں اسے تسلی دے رہا تھا۔

"پتہ نہیں اب کیا ہو گا؟؟" اس نے آزردگی سے کہتے ہوئے اندھیرے میں نظریں جما دیں۔

"ہونا کیا ہے۔ میں نے اسی دن نکاح نامے کی فوٹو کاپی تمہارے بابا سائیں کو پوسٹ کر دی تھی۔ اب تو ہماری تلاش میں ہمارے دوستوں کے گھروں پر چھاپے بھی پڑنے لگے ہوں گے اور اگر ڈیڈی مجھ سے اتنے ناراض نہ ہوتے تو ابھی تم میرے بیڈ روم میں ہوتیں۔ ہمیں اس میر جعفر کا احسان نہ لینا پڑتا۔" بہت بے پروائی سے کہتے کہتے بھی اس کے انداز میں مخصوص حرارت آ گئی تھی۔ مگر ملنہ نے بے حد سنجیدگی سے جعفر کے احسان کا اقرار کیا تھا۔

"وہ بہت اچھا دوست ہے اجلال۔ اس نے ہماری اتنی بڑی پرابلم حل کر دی ورنہ ہم جانے کہاں دھکے کھا رہے ہوتے۔ تمہیں اچھی طرح یاد ہے نا اس کا گاؤں اور گھر؟" وہ پھر سے پوچھنے لگی۔

"ہاں... بس ایک میری ہی صلاحیتوں پر اعتبار نہ کیا تمہیں [illegible] ارے یار یہ بھی [illegible] تمہیں دو تین بار [illegible] گاؤں میں اس کے ساتھ۔" وہ ملنہ کی نظروں سے [illegible] دیکھتے ہوئے بولا تو [illegible]

[illegible] اپنی [illegible] ہے اس [illegible] پسند تھی کیا؟" وہ قدرے سوچتے ہوئے بولی تو اجلال [illegible] چار سال ہو گئے تھے شادی کو۔ اس کے دل میں ایک [illegible] سی تھی۔

"وہ فقط ڈیڈی کی ضد [illegible] میں نے صاف کہہ دیا تھا کہ جس روز مجھے کوئی لڑکی پسند آئی میں اس کی خاطر میں نہیں لاؤں گا۔ وہ تو خدا کا شکر ہے کہ ملنہ کی جان سے نہیں بنی اور کچھ میری کمی بات بھی پوری ہو گئی۔ تم میرا دل لے اڑیں اور اب مجھے اڑائے جا رہی ہو۔" وہ ہنسا۔ ملنہ قدرے خفگی سے بولی۔

"میں نے بھی ایسا کچھ نہیں کیا۔ تم نے خود ہی اوی کو اپنی چکنی چپڑی باتوں میں پھانس لیا تھا اور پھر اپنے ٹوٹے کو لا کر ان کے سر پر بٹھا دیا۔ وہ تو اوی نے مجھے کچھ سوچنے نہیں دیا ورنہ۔"

"ورنہ کیا؟؟" اس نے بھنویں اچکائیں۔ ملنہ نے گہری سانس لی پھر سر جھکا کر مجرمانہ انداز میں اعتراف کرنے لگی۔

"ورنہ میں کبھی بھی اتنا بولڈ اسٹیپ نہیں لے سکتی تھی۔ میں اوی جیسی نہیں ہوں بہت بزدل ہوں۔"

"مجھے کھو کر تم خوش رہ لیتیں؟؟"

وہ اس کے سوال پر لمحہ بھر کو خاموش رہ گئی پھر آہستگی سے بولی۔

"میں فقط تمہاری یاد اور تمہاری دوستی کے سہارے زندگی گزار لیتی۔ میرے لئے یہی بہت ہوتا۔ مجھے تو پتہ بھی نہیں تھا کہ تم یوں اتنی اچانک مل جاؤ گے۔"

"اوی بہت نائس ہیں۔ ان پر یہ سب بیت چکا ہے۔ وہ اس درد کو اچھی طرح جانتی ہیں۔ اس لئے انہوں نے تمہاری محبت میں تمہیں اس دلدل میں دھنسنے سے بچا لیا ہے۔"

"لیکن اجلال! یہ معاشرہ اور لوگ ہمیں۔"

"بند معاشرہ۔" وہ تلخی سے اس کی بات کاٹ گیا۔ "جب تمہاری اوی کو ساٹھ سال کے بوڑھے سے بیاہا جا رہا تھا تب یہ معاشرہ کہاں تھا۔ اب اگر تم بھی اس بارہ سال کے بچے کے ساتھ بیاہ دی جاتیں تب بھی لوگ فقط تماشائی دیکھتے اور اب اگر ہم نے اس مسئلے کا ایک جائز حل نکال لیا ہے تو یہی معاشرہ اپنے [illegible] تیز کرنا شروع کر دے گا [illegible]

ایسے لوگوں پر۔" وہ سخت کبیدہ خاطر ہو رہا تھا۔

"ہم نے سب کو منع تو کر دیا تھا نا ہمارا ایڈریس بتانے کو۔" ملنہ کو اچانک ہی دھیان آیا تھا۔ اجلال نے گہری سانس لی۔

"اب اتنا تو بیوقوف مت سمجھو یار۔ فقط تمہاری امی اور جعفر کو پتہ ہے باقی سب تو فقط گواہ تھے۔ انہیں میں نے کسی مشکل میں ڈالنا مناسب خیال نہیں کیا۔" ملنہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

تمام خوف وخدشات اپنی جگہ مگر آزادی کا ایک طاقتور احساس بھی اسے توانائی دے رہا تھا۔ ایک غلط روایت کی بھینٹ چڑھنے سے بچنے اور من پسند زندگی گزارنے کی خوشی دل کو بہت سکون پہنچا رہی تھی۔ اس کی ذہنی رو بھٹکنے لگی۔

"پتہ ہے اجلال! میں نے نکاح سے پہلے ایک منت مانی تھی۔" اس کے ہونٹوں پر بہت محظوظ کن مسکراہٹ پھیلی تھی۔ اجلال نے پوری طرح اس کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے بے حد اشتیاق سے پوچھا۔

"وہ کیا؟"

"یہ کہ اگر یہ موقع خیروعافیت سے گزر گیا تو میں اور تم مل کر کھیر کی دیگ پکا کر غریبوں میں بانٹیں گے اور سو نفل پڑھیں گے۔" وہ بہت معصومیت سے بولی تو اجلال ہنس دیا اور پھر ہنستا ہی چلا گیا۔

"اس میں یوں ہنسنے والی کیا بات ہے؟" وہ اس کے یوں مذاق اڑانے والے انداز پر برا مان گئی۔ اجلال نے ہنستے ہوئے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"میں یونہی تو پاگل نہیں ہو رہا تھا تمہارے پیچھے۔"

اس کے پرحدت لمس اور بوجھل سانسیں ملنہ کے وجود میں سنسناہٹ بھر دینے کو کافی تھا۔ [illegible] اس کا دھیان اپنی طرف سے ہٹانے کے لئے اس نے ٹوکا۔ مگر اجلال نے ان سنی کرتے ہوئے اس کا ہاتھ ہونٹوں سے لگا لیا۔

"تھینک گاڈ ملنہ کہ تم میری ہو۔ اگر یہ سب مسئلہ تمہارے ساتھ نہ ہوتا تو میں پتہ نہیں کیا کر جاتا۔"

اس کی محبت کی شدتوں نے ملنہ کو محجوب کر دیا۔

"یہ باتیں آپ گھر پہنچ کر بھی کر سکتے ہیں۔" گھبراہٹ کے زیر اثر اس نے اپنا ہاتھ کھینچا تھا۔

"کیا مطلب؟ یعنی گھر پہنچ کر بھی فقط باتیں ہی کرنی ہیں؟" اجلال نے بڑی سہولت سے بازو اس کے شانے پر پھیلایا تو وہ مارے حیا کے سمٹ سی گئی۔

"اجلال پلیز۔" اس کی سرخ پڑتی رنگت اور ملتجیانہ انداز پر وہ ہنس دیا۔ اس کے انداز اجلال کو شرارت پر اکسا رہے تھے۔

"کیا ہے یار۔ صبح سے ڈرائیونگ کر رہا ہوں ذرا سا ریلیکس بھی نہیں ہو سکتا؟"

اس کے معنی خیز انداز پر ملنہ کا سر گھٹنوں سے جا لگا۔

صبح سے اب تک کا سفر تو اس نے بڑی شرافت سے طے کیا تھا مگر اب جب دل ودماغ خدشات کی گرفت سے آزاد ہوئے تو وہ بھی بے باک ہونا شروع ہو گیا تھا۔

"سو گئی ہو کیا؟" اس نے ہاتھ سے ملنہ کے رخسار کو چھوا تو وہ بدک اٹھی۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے؟" فوراً اس کا بازو جھٹک دیا تو اس نے ہنستے ہوئے دونوں ہاتھوں سے اسٹیئرنگ سنبھال لیا۔

"کمال ہے یار! اتنی سخت سنسر پالیسی تو ہماری فلموں کی بھی نہیں ہے۔"

"اجلال شرافت سے گاڑی ڈرائیو کرو۔" وہ اندر سے سخت برافروختہ تھی مگر اسے جامے میں رکھنے کے لئے ناراضگی سے بولی جبکہ اجلال کو اس کی شکل دیکھ کر ہنسی آ رہی تھی۔

"دیکھو پہلے ہم فقط کلاس فیلوز تھے اور اب ایک ہفتہ ہو چکا ہے ہمارے نکاح کو۔ یہ ٹھیک ہے کہ رخصتی آج ہو رہی ہے مگر میں پوچھنا چاہ رہا ہوں کہ آخر یہ شرافت کب تک چلے گی؟" وہ بے حد شرارت سے پوچھ رہا تھا۔ ملنہ کی رنگت میں سرخیاں گھلنے لگیں۔

اس سے نظریں ملانا دشوار ہو گیا۔ یہ نظارہ اس قدر دلفریب تھا کہ اجلال نے بیساختہ اسے بازو کے گھیرے میں لے لیا تھا۔

پہاڑوں پر اترتی رات میں پتھریلی سڑک پر دھیمی رفتار میں گاڑی ڈرائیو کرتا "آنکھوں میں بے حد شوخی اور ہونٹوں پر شرارت بھری مسکراہٹ لئے وہ شوخیوں پر آمادہ تھا۔ اس اچانک افتاد پر ملنہ کی جان پر بن آئی۔

"اجلال پلیز۔ کیا ہو گیا ہے تمہیں؟"

"محبت محبت محبت" وہ اتنے ڈرامائی انداز سے بولا کہ اس کی شوخیوں سے خائف ہونے کے باوجود ملنہ کو بھی ہنسی آ گئی اور اس کے ہنسنے پر شاید وہ مزید چہکتا۔ تبھی سامنے سے آنے والی سیاہ لینڈ کروزر کی طاقتور ہیڈلائٹس روشن ہو گئیں۔ وہ فوراً سنبھل کر بیٹھا اور گاڑی کو سائیڈ پر کرتے ہوئے رفتار قدرے بڑھا دی۔ مگر سیاہ کروزر سائیڈ سے گزرنے کی بجائے اس کی سڑک کے سامنے ترچھی ہو کر رک گئی۔ اس کے پیچھے ایک سیاہ جیپ تھی۔

"شٹ۔" اجلال نے پھرتی سے اسٹیئرنگ وہیل گھما کر گاڑی کچے میں اتار دی۔ سراسیمگی کے عالم میں بھی ملنہ نے گاڑی پہچان لی تھی۔

"اجلال۔ وہ لوگ۔"

ملنہ کی جیسے کسی نے قوت گویائی سلب کر لی۔ کروزر میں سے دو مسلح باڈی گارڈ اترے تھے۔ اجلال لمحہ بھر میں تمام صورت حال سمجھ گیا۔ اس نے آر یا پار والے انداز میں اترنے کا قصد کیا تو اس کے دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھتے ہی ملنہ بری طرح چیخنے لگی۔

"مت اترنا اجلال، یہ لوگ مار ڈالیں گے تمہیں۔"

اجلال نے [illegible] کو دیکھا اور اس کا ہاتھ اپنے بازو سے ہٹا دیا۔ "کچھ نہیں ہو گا۔ مجھے دیکھنے تو دو۔"

اتنی دیر میں کبیر شاہ اور عمر شاہ حرکت میں آ چکے تھے۔ عمر شاہ نے ایک جھٹکے سے گاڑی کا دروازہ کھول کر گریبان سے پکڑ کر اجلال کو باہر گھسیٹ لیا۔ ملنہ بے اختیار چیخنے لگی۔ کبیر شاہ نے اسے کھینچ کر باہر نکالا تو وہ پوری شدت سے رونے لگی۔

"لالہ! اسے کچھ مت کہو۔ اسے کچھ نہیں کہنا۔" وہ ہاتھ جوڑے اس کی منتیں کر رہی تھی۔

علی شاہ اپنی جیپ سے اتر کر بیچھے ان کی طرف بڑھا۔

کبیر شاہ نے اس کے بال بہت بے دردی سے جکڑ رکھے تھے مگر وہ اپنی تکلیف سے بے نیاز اجلال کی زندگی کی بھیک مانگ رہی تھی۔ دونوں گارڈز بھی بے دردی سے اجلال کو مار رہے تھے۔

علی شاہ کو دیکھ کر اس کے آنسوؤں میں تیزی آئی مگر دل میں ایک آس سی جاگی تھی۔

"بھائی! اجلال کو بچاؤ۔ اسے چھوڑ دو۔ اس کا کوئی قصور نہیں ہے۔ چاہے مجھے مار ڈالو بھائی مگر اسے چھوڑ دو۔"

"بے حیا، بے غیرت۔" کبیر شاہ کا ہاتھ اس زور سے اس کے منہ پر پڑا کہ وہ الٹ کر پتھروں پر جا گری۔

علی شاہ نے بیساختہ گھٹنوں کے بل بیٹھ کر اسے سنبھالا تھا۔ اسے جانے کہاں کہاں خراشیں اور چوٹیں آئی تھیں مگر وہ ان سے بے نیاز اجلال کے لئے پاگل ہو رہی تھی۔ اس نے اپنے ہاتھ علی شاہ کے قدموں پر رکھ دیئے۔

"بھائی! اسے بچالیں۔ وہ بے قصور ہے۔ چاہے مجھے مار دینا۔ مگر اسے چھوڑ دیں۔"

وہ بے بسی کے حصار میں گھری زور زور سے رو رہی تھی۔

علی شاہ نے دانت پر دانت جمائے چہرہ موڑ کر دیکھا۔

انہوں نے رائفلوں کے بٹ مار مار کر اجلال کا حلیہ بگاڑ دیا تھا۔ لہو سے اس کی وائٹ شرٹ لال ہو رہی تھی۔

"بغاوت تو میں نے کی ہے، اس کا بدلہ میں نے۔ پھر سزا اسے کیوں دے رہے ہو؟"

"نمٹ لیں گے تم سے بھی۔ پہلے ذرا اس معافی

کا تصور کر لیتے وہ۔" عمر شاہ یکلخت ہی اس کی طرف پلٹ کر غرایا تھا۔

"آپ اس کو ہاتھ بھی مت لگائیں۔" وہ نفع و نقصان سے بالاتر ہو کر چلا اٹھی۔ "کیا بگاڑا ہے اس نے آپ کا؟" اس کی سرکشی نے عمر شاہ کے غضب کو للکارا تھا اس نے آگے بڑھ کر اسے سبق سکھانے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ اس کے تیور بھانپ کر علی شاہ دونوں کے درمیان حائل ہو گیا۔

"لالہ پلیز۔ کچھ جگہ ہی کا دھیان کریں۔" اس کا لہجہ بے حد سنجیدہ تھا۔

عمر شاہ نے لہو رنگ آنکھوں سے اسے دیکھا۔ اس کے لہجے میں علی شاہ کے لئے حقارت تھی۔ وہ سر جھٹک کر دوسرے تماشے کی طرف متوجہ ہو گیا۔

ملنہ کی نظروں نے اجلال کی دگرگوں حالت دیکھی تو وہ پاگلوں کی طرح اس کی طرف بڑھی۔ وہ زور زور سے چیخ رہی تھی۔ ان کی منتیں کر رہی تھی ان کے پیروں میں گر رہی تھی۔ مگر وہ دونوں اس پل بالکل وحشی بنے ہوئے تھے۔

"مار ڈالو اس بے غیرت انسان کو۔" عمر شاہ دہاڑا تو وہ وحشت زدہ روتی ہوئی دونوں آدمیوں کی گرفت میں جکڑے جھولتے ہوئے اجلال کے سامنے کھڑی ہو گئی۔ اور عاجزی سے ہاتھ جوڑ دیے۔

"نہیں لالہ۔ نہیں۔"

"مار ڈالو اس بے غیرت کو بھی، عزت کا جنازہ تو نکل ہی چکی ہے اب اس کا بھی نکل جائے تو بہتر ہے۔" کبیر شاہ بھی سفاکی میں بھائی سے پیچھے نہیں تھا۔

"نہیں لالہ۔" علی شاہ ان دونوں کے سامنے آ گیا تھا۔ ملنہ کے دل میں امید کی کرن جاگنے لگی۔ وہ اجلال کی طرف [illegible] آدمیوں کے سامنے [illegible] تھا۔

"[illegible] ٹھیک ہو جائے گا اجلال۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

اس نے دوپٹے سے اس کے چہرے سے بہتا خون صاف کرتے ہوئے کہا مگر اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی علی شاہ کی آواز اسے سن کر گئی۔

"اس کا کام کر جائے بھی تمام ہو سکتا ہے لالہ اور جہاں تک اس ذلیل انسان کا تعلق ہے تو اسے میں اپنے ہاتھوں سے ختم کروں گا۔ اس نے ہماری عزت کا جنازہ نکالا ہے تو مجھے بھی اس کا جنازہ نکالتے ہوئے کوئی افسوس نہیں ہوگا۔"

"نن۔ نہیں۔" وہ تڑپ کر پلٹی تھی۔

مگر وہاں محبت کرنے والے کسی بھائی کی شکل دکھائی نہیں دی۔ وہ عمر شاہ سے ریوالور لے رہا تھا۔

"آپ اس کو گاڑی میں بٹھائیں۔" اس نے ملنہ کی طرف ایک نگاہ بھی نہیں ڈالی تھی۔ اس کی چیخ پکار اور آہ و بکا سے بے نیاز دونوں بھائیوں نے اسے گھسیٹتے ہوئے کروزر میں ڈالا تو علی شاہ نے ان دونوں آدمیوں کو بھی جانے کا اشارہ کیا۔ وہ اجلال کو زمین پر ڈالتے چلے گئے۔

"بھائی! نہیں بھائی! لالہ! وہ بے قصور ہے۔" وہ بلک رہی تھی۔ ان کے پیروں میں گر رہی تھی۔ چیخ چیخ کر اس کے حلق میں خراشیں پڑ گئی تھیں مگر ان کو اس پر ذرا بھی ترس نہیں آ رہا تھا۔

علی شاہ نے اپنی جیپ میں بیٹھے ریٹو کو بلایا تھا۔

سیاہ کروزر ریورس ہو رہی تھی۔ ملنہ کی چیخیں ویرانے میں گونج رہی تھیں مگر کوئی سننے والا نہیں تھا۔ علی شاہ نے لب بھینچتے ہوئے دانت پر دانت جما کر ریوالور کا رخ اس کی طرف کیا اور تمام کی تمام گولیاں چلا ڈالیں۔

کروزر میں بھائیوں کی ظالمانہ گرفت میں بلکتی تڑپتی ملنہ کی سماعت سے گولیوں کی بھیانک آواز ٹکرائی تو وہ ایک دم ساکت ہو گئی۔

"بھائی! علی بھائی! اجلال کو مار ڈالا۔"

اک گہری بے یقینی تھی جس نے اس کے دل و دماغ کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ اس نے نفی میں سر ہلایا اور اس کے بعد اسے پتہ نہیں چلا کہ کب اس کے حلق سے دل خراش چیخیں نکلنے لگیں۔ عمر شاہ نے ڈرائیور کو آگے بڑھنے کا اشارہ کیا تو گاڑی تیز رفتاری سے چل پڑی۔ وہ چیختے چیختے یکلخت ہی خاموش ہو گئی تھی۔ مگر دونوں

بھائیوں کے چہروں پر اس قدر سکون اور طمانیت تھی کہ شیطان بھی دیکھتا تو ان کی بربریت پر شرما جاتا۔

"رنجو۔ اسے اٹھا کر گاڑی میں ڈال دو۔"

علی شاہ نے ساکت پڑے اجلال کی طرف اشارہ کرتے ہوئے سرد لہجے میں کہا۔ تو اپنے نرم خو چھوٹے سائیں کا حیرت انگیز روپ دیکھتے بت بنے کھڑے رنجو نے فوراً اس کے حکم کی تعمیل کی تھی۔ وہ خود جیپ کی طرف بڑھا اور موبائل اٹھا کر نمبر پش کرنے لگا۔

"ہیلو۔ ڈاکٹر جمال فاروقی؟" اس نے تائید چاہی۔

"اگر آپ کو اپنے بیٹے کی لاش وصول کرنی ہے تو ایڈریس نوٹ کر لیں۔" اس نے بے حد سفاکی سے پیغام دیتے ہوئے ایڈریس بتا کر موبائل آف کر دیا اور رنجو کو ساتھ آنے کا اشارہ کرتا جیپ کی طرف بڑھ گیا۔

♣ — ☀ — ♣

اسے سیدھا گھر لانا ممکن ہی نہیں تھا۔ اس کی بگڑتی حالت کے پیش نظر پتہ نہیں کس لہر میں عمر شاہ نے گاڑی کا رخ اسپتال کی طرف کرا دیا۔

اسے فوراً ایمرجنسی روم میں لے جایا گیا۔ ڈاکٹرز اور پورا عملہ مستعدی سے اسے ٹریٹ منٹ دے رہا تھا۔ عمر شاہ اور کبیر شاہ کا جاہ و جلال اور دو عدد خوفناک شکل والے باڈی گارڈز ان کی حیثیت کا تعین کرنے کے لیے کافی تھے۔

"شدید نروس بریک ڈاؤن ہوا ہے۔"

عمر شاہ کی کال پر علی شاہ بھی آن پہنچا تھا اور اب ڈاکٹر کے سامنے موجود تھا۔

"ہم انہیں بہترین ٹریٹ منٹ دے رہے ہیں دعا کیجئے۔" ڈاکٹر اپنے مخصوص انداز میں تسلی دیتا چلا گیا۔

"ہنہ دعا۔" عمر شاہ نے حقارت سے ہنکارا بھرا

"میں گھر جا رہا ہوں۔" کبیر شاہ اٹھا تو عمر شاہ بھی اس کے ساتھ ہی اٹھ کھڑا ہوا۔

"اگر صبح تک مریضہ کو ہوش آ گیا تو سمجھیے کہ خوش قسمت ہیں وہ۔" کئی گھنٹوں کے انتظار کے بعد تسلی

کے اس انداز نے علی شاہ کے اندر گھٹن بھر دی۔ وفادار رنجو پلک جھپکے بغیر اپنے چھوٹے سائیں کے پاس کھڑا تھا۔

"یا خدا۔" علی شاہ نے بے اختیار اوپر نگاہ کی تھی۔

وہ رات اس نے اسپتال کے سرد کوریڈور میں ٹہل کر اور بینچ پر بیٹھ کر گزاری تھی۔ مگر حویلی سے پیغام یا کوئی اطلاع نہیں آئی۔ اس کا مطلب تھا کہ حویلی میں ابھی بی بی جان تک یہ بات نہیں پہنچی ہوگی۔

علی شاہ نے گلاس وال کے پاس اسے مشینوں میں جکڑے دیکھا تو اس کے دل کو کچھ ہونے لگا۔ جانے کتنی نالیاں اور سوئیاں اس کے وجود میں پیوست تھیں۔

"بھائی میں انجکشن بالکل نہیں لگواؤں گی گولیاں چاہے جتنی جی چاہے کھلا دیں مگر انجکشن نہیں۔" ہوا کے دوش پر لہراتی ماضی کی کھنک اس کی سماعت سے ٹکرا رہی تھی۔ اور جواب میں اپنی مصنوعی خفگی سے بھری آواز۔

"انجکشن نہیں لگواؤ گی تو بخار ٹھیک نہیں ہوگا اور تم جتنے دن بیمار رہو گی وہاں میں پریشان ہوتا رہوں گا۔"

"بھائی! آپ کی جان مجھ میں ہے نا؟" وہ پوچھ رہی تھی۔

"ہاں بالکل۔" وہ فوراً بولا تھا۔

"تو جب ایک ہی جان ہے تو پھر میری جگہ انجکشن آپ ہی لگوا لیں۔" وہ منت بھرے معصوم انداز میں کہہ رہی تھی تب علی شاہ نے بے اختیار اس کی پیشانی چوم لی تھی۔

اور اب۔

اس کا دل خون کے آنسو رونے لگا۔ اس نے بے اختیار گلاس وال پر ہونٹ رکھ دیے۔

صبح دس بجے کے قریب اسے ہوش آیا تو وہ اس کے پاس جانے کو بے قرار ہو گیا۔ اسے اجازت دے دی گئی تھی۔

"ابھی بی اماں، وہ ایمرجنسی روم میں ہی رہیں گی۔ آپ ان سے چند منٹ کے لیے وہیں مل سکتے ہیں۔"

وہ تیزی سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا تو وہ چھت کو گھور رہی تھی۔

"ملنہ۔" علی شاہ نے اس کے پاس بیٹھ کر اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھاما تو وہ بے حد چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

"کیسی ہو اب؟" وہ اس کے ہاتھ کو ہلکے سے ہونٹوں سے چھو کر پوچھ رہا تھا۔

"آپ؟" اس کی آنکھوں میں اجنبیت نمایاں تھی۔

"ملنہ میں علی شاہ تمہارا علی بھائی۔" وہ بمشکل مسکرایا تھا۔

"علی شاہ۔" وہ بے بسی سے اسے دیکھنے لگی۔ تب اس نے غور سے اسے دیکھا تھا۔

"تم مجھے جانتی ہو ناں؟" کسی خدشے میں گھر کر علی شاہ نے پوچھا تو اس نے آہستگی سے نفی میں سر ہلا دیا اور اسے یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے اسے سناٹوں میں دھکیل دیا ہو۔

◆ — ✱ — ◆

وہ اسے لے کر حویلی آیا تو اک ہنگامہ اس کا منتظر تھا۔

"اس بے حیا کو زندہ کیوں لے آئے ہو علی شاہ۔ مار کیوں نہیں ڈالا اسی رذیل کے ساتھ اسے بھی؟"

بابا سائیں گرج رہے تھے وہ خوفزدہ اور سہمی ہوئی بی بی جان سے چمٹی ہوئی تھی۔ علی شاہ نے بی بی جان کو اسے اندر لے جانے کا اشارہ کیا تو انہوں نے فوراً اس کے [illegible] عمل کیا۔

"مر چکی ہے بابا سائیں ہماری دنیا سے بہت دور [illegible] رہا تھا۔

"[illegible] بابا سائیں [illegible] ہمیں متاثر کرنے کی کوشش مت کریں [illegible] شدہ عورت ہے۔"

"وہ سب کچھ بھول چکی ہے بابا سائیں۔ اس صدمے نے اس کے حواس چھین لیے ہیں۔ یادداشت کھو چکی ہے وہ۔"

اس نے جیسے ضبط سے بتلایا اس کی آنکھوں میں سرخی اترنے لگی تھی۔

چند لمحے وہ تیکھی نظروں سے اسے دیکھتے رہے پھر ہنکارا بھرتے ہوئے صوفے پر پھیل کر بیٹھ گئے۔

"چلو اچھا ہی ہوا، اسے سزا ضرور ملے گی۔" وہ اطمینان سے کہہ رہے تھے۔

"نہیں بابا سائیں۔ وہ بہت سزا پا چکی ہے۔ اس سے زیادہ اسے کچھ نہیں کہا جائے گا۔" وہ تیزی سے کہہ اٹھا تو ان کی آنکھوں میں غصہ بھر گیا۔

"اتنی بے غیرتی کا مظاہرہ مت کرو علی شاہ۔"

"بابا سائیں! اس کا ذہن اب بالکل صاف شفاف ہے۔ اب پھر سے ایسے ہی جیسے دوبارہ پیدا ہوئی ہو۔" وہ اندر اٹھتی ٹیسوں کو دباتا اس کا مقدمہ لڑ رہا تھا۔

"پر جو کچھ وہ کر چکی ہے اس کے بعد اس کا زندہ رہنا بہت شرمناک ہے۔" وہ اٹل لہجے میں یوں کہہ رہے تھے جیسے کسی انسان نہیں بلکہ جانور کی بات کر رہے ہوں، ویسے بھی ان کی نظروں میں انسان کیڑے مکوڑوں سے بھی حقیر تھے۔

"اب ویسا کچھ نہیں ہوگا بابا سائیں۔ آپ اسے معاف کر دیں۔ اجلال کی موت کے بعد سب کچھ ختم ہو چکا ہے۔ ملنہ ہمیں ویسی ہی واپس مل چکی ہے کہ اس کے دل و دماغ پر اس کا نقش تک نہیں ہے۔"

"پر عزت پہ تو دھبہ لگ گیا ہے ناں۔" وہ نفرت سے لہجے میں بولے تو علی شاہ نے لب بھینچے۔ وہ اپنے باغی خیالات کو کنٹرول کرنے کی پوری کوشش کر رہا تھا۔ اسے بی بی جان سے سارے قصے کا علم ہو گیا تھا کہ ملنہ نے یہ انتہائی قدم کیوں اٹھایا تھا اور اس کے بعد ادی زرینہ سے ساری حقیقت اگلوانا اس کے لیے ناممکن نہیں رہا تھا۔

"ادی! ایک بار مجھے کہا تو ہوتا مجھے سارا معاملہ تو بتایا ہوتا جیسے میں نے اسے لوا عمر اور لوا کبیر سے بچایا ویسے ہی میں اسے اس رسم کی بھینٹ چڑھنے سے بھی بچا سکتا تھا۔"

توقف کے بعد وہ بارعب انداز میں کہتے پلٹ گئے تو نوری بی بی سرپٹ اندر بھاگی تھی اور وہ باہر نکلتی زینب سے ٹکرا گئی۔

"ہائے خیر۔ آنکھیں کہاں بھول آئی ہو نوری بی بی؟" اس نے اپنا ماتھا سہلاتے ہوئے وحشت زدہ سی نوری بی بی کو گھورا تھا۔

"وہ جی۔ بڑے سائیں۔" وہ ہکلائی تو زینب نے گہری سانس لی۔

"تو کیا پہلے کبھی تم نے بڑے سائیں کو نہیں دیکھا؟"

"دیکھا ہے جی۔ پر ہر بار میری یہی حالت ہوتی ہے۔" وہ سادگی سے کہہ رہی تھی زینب کو بیساختہ ہنسی آ گئی۔

"بڑے سائیں کہہ رہے تھے کہ چھوٹی بی بی کے جاگتے ہی مجھے اطلاع کرنا۔"

نوری بی بی نے قدرے دھیمے لہجے میں جتایا تو وہ پریشان سی ہو کر بی بی جان کو دیکھنے لگی۔

"کہاں آئے تھے بڑے سائیں؟" بی بی جان کے چہرے سے بھی تفکر جھلک رہا تھا۔ نوری بی بی نے فوراً کہا۔

"یہاں جی۔ زنان خانے میں۔ ابھی باہر کھڑے تھے۔"

"اچھا تم یوں کرو کہ میرے لیے اچھی سی چائے بنا کر لاؤ۔" زینب نے اسے ٹرخایا تھا۔

"پر بی بی میں آپ کو ہر بار کہتی ہوں کہ مجھے چائے بنانی نہیں آتی۔"

نوری بی بی بے چارگی سے بولی تو زینب کو ہنسی آ گئی۔ واقعی وہ جتنی بار حویلی آ کر نوری بی بی سے فرمائش کرتی تھی اسے یہی جواب ملتا تھا۔

"تو سیکھ کیوں نہیں لیتی اس سے؟ آخر کو اسے اسی حویلی میں رخصت ہو کے آنا ہے تب بھی تو تجھے ہی بنانی ہے نا۔" بی بی جان نے قدرے چڑ کر نوری بی بی کو گھورا تو زینب جھینپ گئی۔

"رہنے دیں بی بی جان۔ میں خود بنا لیتی ہوں۔ [illegible]

وہ لمبو رنگ آنکھیں ان پر جمائے تاسف سے کہہ رہا تھا۔

"ہاں۔" وہ استہزائیہ انداز میں ہنسیں۔ "وہ وہ کے ان کی حالت بری ہو رہی تھی۔ "جیسے مجھے بچا لیا گیا تھا۔"

ان کی بے آواز سسکیاں اور نوحے علی شاہ کا دل چیر گئے وہ خاموشی سے ان کے پاس سے اٹھ گیا تھا۔

اور پھر علی شاہ کی الجھنوں سے اتنا ضرور ہو گیا کہ حشمت کو بخش دیا گیا تھا۔ مگر یوں کہ دونوں بڑے بھائی اور بھابیاں اسے دیکھنا بھی گوارہ نہیں کرتی تھیں۔ حشمت شاہ نے بھی شروع شروع میں یہی رویہ روا رکھا مگر رفتہ رفتہ انہیں اندازہ ہو گیا کہ اب وہ نئے سرے سے اس کی ذہنی نشو و نما کر سکتے ہیں اور اسے اپنی پسند کے سانچے میں ڈھال سکتے ہیں تو انہوں نے اپنے رویے میں قدرے تبدیلی پیدا کر لی۔ حویلی میں فقط بی بی جان اور علی شاہ ہی تھے جو اب بھی اس پر جان چھڑکتے تھے مگر وہ خود ہر وقت سوچوں میں اتنا الجھتی رہتی کہ اسے ایک بار پھر ہلکا سا نروس بریک ڈاؤن کا اٹیک ہو گیا مگر نوری زینت منت سے اب وہ سنبھلنا شروع ہو گئی تھی۔

◆ — ✱ — ◆

حشمت شاہ کو زنان خانے میں آتے دیکھ کر نوری بی بی نے دور ہی سے احتراماً ہاتھ جوڑ دیے تھے اور سر جھکا لیا تھا۔

"اب کیسی طبیعت ہے اس کی؟" وہ مخصوص کرخت لہجے میں پوچھ رہے تھے۔ نوری بی بی کا دل پتے کی مانند کانپنے لگا۔

"اب تو ٹھیک ہیں سائیں۔ بس ڈاکٹنی کہہ رہی تھی کہ کمزوری ہے۔ ابھی تو سو رہی ہیں چھوٹی بی بی۔"

"اور کون ہے اس کے پاس؟" انہوں نے تیوری چڑھا کر [illegible]

"جی... بی بی جان اور زینب بی بی ہیں۔" "اب [illegible] شروع ہو گئیں۔

"ہوں۔" حشمت شاہ نے ہنکارا بھرا۔ "جب بھی اسے ہوش آئے ہمیں اطلاع کر دینا۔" قدرے

ہوگی۔" بات کا موضوع بدلنے کے لیے اس نے فوراً بات بدل ڈالی تھی۔

"وہ تو اصل سے اصل ہے۔ علی شاہ ہی لاتا رہتا ہے۔ ایک چائے اور دوسری پتہ نہیں کیسی کڑوی سی تھے بے تحری طرح وہ بھی چائے کا شوقین ہے اور اپنے یاروں دوستوں کے لیے بھی وہ چائے ہی ہوتا ہے۔ یہ اس کے لیے ہوتا ہے۔"

بی بی جان نے بہت تفصیل سے بتایا۔ چائے کے علاوہ وہ یقیناً کافی کا ذکر کر رہی تھیں۔ زینب قدرے خفیف سی ہوگئی۔ بات پھر اس کی طرف چل نکلی تھی۔ وہ اس سنگدل اور بے رحم شخص کو آئینہ ضرور دکھانا چاہتی تھی۔

"اچھا میں خود ہی بنا لیتی ہوں۔ تو نور بی بی۔" وہ بات ختم کر کے نور بی بی کو ساتھ لے باورچی خانے کی طرف چل پڑی۔

"زینب بی بی! اتنی سوہنی رنگت ہے آپ کی۔ کسی بیار کریں ہیں کیوں کلیجہ جلاتی ہیں اپنا۔" نور بی بی نے تاسف سے سر ہلاتے ہوئے کہا تو زینب کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"کچھ نہیں ہوتا نور بی بی۔"

"پتہ نہیں یہ آج کل کی لڑکیوں کو اپنی صحت کا خیال کیوں نہیں۔"

نور بی بی بڑبڑاتے ہوئے چولہا جلا رہی تھی۔ زینب نے اپنی مسکراہٹ دباتے ہوئے قدرے انجان بن کر کہا۔

"چلو لڑکے تو ہیں ناں صحت بنانے کے لیے۔"

"میرے منہ میں خاک بی بی! پر میں تو سچ کہوں کہ کسی کو بھی اپنی جان عزیز نہیں ہے۔" نور بی بی فوراً سچ گئی تھی۔ "اب یہ اپنے چھوٹے سائیں ہی کو دیکھ لیں کتنی کپ چائے پی جاتے ہیں۔"

اس کے آنکھیں پھیلا کر بولنے پر زینب کو ہنسی آگئی۔

"تو تم منع نہیں کرتیں؟" یہ ٹھیک تھا کہ وہ اس سے حد درجہ متنفر ہوگئی تھی مگر بات علی شاہ کی ہو رہی تھی، دھیان ہی نہیں تھا کہ زینب پوچھ بیٹھی۔

"تو بھلا وہ میری کہاں سنتے ہیں۔ سچ میں نے کہا چھوٹے سائیں کسی دن کم کریں تو کہنے لگے کہ کسی پینے سے نیند بڑی آتی ہے اور آج کل تو پتہ ہی نہیں چلتا اور بندہ سوتے میں ہی فوت ہو جاتا ہے۔ چائے پینے سے نیند بھاگتی ہے۔ اور آدمی کو ہمیشہ جاگتے میں مرنا چاہیے۔" نور بی بی منہ پھلائے کہہ رہی تھی۔

"میں نے تو ڈر کے مارے کسی چیز چھوڑ دی ہے کیا پتہ کب ...؟"

"کمال کے ہو تم بھی نور بی بی۔" زینب ہنستے ہوئے چائے بنانے لگی۔ اچھی طرح رنگ نکال کے اس نے تھوڑا سا دودھ ساس پین میں انڈیل کر خاصی اسٹرونگ سی چائے بنائی تھی۔

"اچھا تو نور بی بی۔ تمہارے چھوٹے سائیں اور کیا کہتے ہیں؟" اس نے چائے کپ میں ڈالتے ہوئے بڑے سرسری انداز میں پوچھا تھا۔

"کس بارے میں؟" نور بی بی کے دماغی اسکرو خاصے ڈھیلے تھے اس لیے وہ بات کی گہرائی میں نہیں جاتی تھی۔ زینب ہنسی۔

"چلو میرے بارے میں ہی بتا دو۔" وہ شرارت سے کہتے ہوئے پلٹی تو چائے کا کپ ہاتھ میں لیے منجمد ہوگئی۔ علی شاہ باورچی خانے کے دروازے کے فریم سے ٹیک لگائے کھڑا تھا۔

"چھوٹے سائیں! آپ کی باتیں میرے ساتھ تھوڑی کرتے ہیں۔" نور بی بی بڑبڑانے لگی۔ اس کی دروازے کی طرف پشت تھی اس لیے وہ علی شاہ کو دیکھنے سے قاصر تھی۔

زینب گھبراتی ہوئی دھڑکنوں کو سنبھالتی یکایک رخ موڑ کر دوبارہ سر نکانے لگی۔

"نور بی بی اندر تمہیں بی بی جان بلا رہی ہیں۔" علی شاہ کی آواز اس قدر اچانک تھی کہ نور بی بی اچھل کر رہ گئی۔

"سلام چھوٹے سائیں۔"

علی شاہ نے سہلا کر جواب دیا تھا اور بی بی تیزی سے باہر نکلتی چلی گئی۔ زینب کی تو یہ حالت تھی کہ اپنی جگہ سے ہلنے سے بھی قاصر تھی۔

"اگر اور چائے ہے تو مجھے بھی دے دو۔" وہ تھکے تھکے انداز میں کہتا باورچی خانے میں ایک سائیڈ پر موجود چھوٹی ڈائننگ ٹیبل کی کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔ وہ پریشان ہو گئی۔ چائے فقط ایک ہی کپ تھی۔

اس نے ہمت کر کے اس کی طرف پیش قدمی کی اور کپ اس کے سامنے رکھ دیا۔ وہ کہنیاں میز پر ٹکائے سر ہاتھوں میں دیے بیٹھا تھا' چونک کر سیدھا ہوا۔ اسے جاتے دیکھ کر فوراً پکار لیا۔

"ادھر تو آؤ زینب۔"

زینب نے رک کر صرف چہرہ موڑا تھا۔

"وہ۔ میں بی بی جان کے پاس جا رہی ہوں۔" اس کی گھبراہٹ علی شاہ سے مخفی نہیں رہ سکی تھی۔

"وہ آرام کرنے لگی ہیں۔ نور بی بی کو انہوں نے ٹانگیں دبوانے کے لیے بلایا ہے تم یہاں تو آؤ۔" اس نے بہت سنجیدگی سے کہا تھا۔ زینب بے بسی سے اسے دیکھنے لگی۔

"آپ یونہی مجھے بتا دیں کیا کام ہے؟" اس کی ہچکچاہٹ اور گریز واضح تھے۔

"پلیز زینب' میں بہت ٹینس ہو رہا ہوں۔ باتیں کرنا چاہتا ہوں کسی سے۔" وہ بہت تھکے ہوئے انداز میں بولا تو زینب کا دل دھک سے رہ گیا مگر اتنا ضرور ہوا کہ اس کا سنجیدہ اور الجھا ہوا انداز زینب کی گھبراہٹ دور کر گیا۔ وہ آہستگی سے اس کی طرف آئی اور اس کی کرسی کی پشت پر ہاتھ رکھے کھڑی ہو گئی۔ اسے یوں بھاگنے کو تیار کھڑا دیکھ کر علی شاہ جھنجلا گیا تھا۔

"خدا کے لیے زینب بیٹھ جاؤ۔" اس نے [illegible] بول رہا تھا۔ وہ گھبرا کر جلدی سے کرسی گھسیٹ کر اس کے پاس بیٹھ گئی۔

[illegible] بیٹھا تھا۔ زینب کو علی شاہ کے اس روپ کو دیکھ کر گھبراہٹ ہونے لگی۔

"آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے؟"

"میں ابھی بی بی جان سے مل کے آ رہا ہوں۔ ملنے کو دیکھا ہے تم نے؟" وہ سر اٹھا کر اسے دیکھتے ہوئے ایک دم سے بولا تو وہ لمحہ بھر کو چپ رہ گئی۔ پھر آہستگی سے بولی۔

"وہ کمزور ہو گئی تھی اسے دیکھیے آپ وہ ٹھیک ہے۔"

"ہاں۔ کیا ٹھیک ہے زینب؟ کچھ بھی تو نہیں۔" وہ بہت دکھ سے بولا تو زینب نے دیکھا کہ اس کی آنکھوں میں سرخی اتر آئی تھی۔

"آپ ٹھیک ہو جائے گی۔" زینب کا دل دکھ سے بھرنے لگا۔ (کتنے بڑے ایکٹر ہو تم)

"کچھ ٹھیک نہیں ہو گا زینب۔ وہ اب مجھ سے بھی نہیں بولتی' کسی سے بھی بات نہیں کرتی۔" وہ اضطرابی انداز میں انگلیاں بالوں میں پھیر رہا تھا۔

"میں جانتی ہوں کہ آپ کو میرا یہ کہنا اچھا نہیں لگے گا مگر یہ سب آپ لوگوں کا ہی کیا دھرا ہے۔"

زینب نے صاف الفاظ میں اسے مورد الزام ٹھہرایا تو وہ لہو رنگ آنکھوں سے اسے دیکھنے لگا۔ لمحہ بھر کو زینب کا دل بڑے زور سے کانپا تھا۔ اس نے فوراً اپنی نظریں میز پر رکھے اپنے ہاتھوں پر ٹکا دیں۔

"مجھے ملنے سے بہت محبت ہے زینو۔"

وہ بہت بے بسی سے کہہ رہا تھا اور یہ بات زینب تو کیا ہر کوئی جانتا تھا کہ علی شاہ ملنے کو اور ملنے اسے کتنا عزیز رکھتی ہے مگر اب جو کچھ علی شاہ نے کیا تھا اس نے زینب کو علی شاہ سے متنفر کر دیا تھا۔

"آپ تو یہ دعویٰ مت کریں آپ۔" زینب باوجود کوشش کے اپنے لہجے کی تلخی کو چھپا نہیں پائی تھی۔ وہ لب دانتوں تلے دبائے اسے دیکھنے لگا۔

"اتنی بے اعتباری اچھی نہیں ہوتی زینو۔"

چند ثانیوں کے بعد وہ تھکے ہوئے انداز میں بولا تو زینب کو غصہ آنے لگا۔

"میں نے ہمیشہ یہ سوچ کر خوشی محسوس کی تھی کہ آپ اس حویلی اور خاندان کے تمام مردوں سے مختلف ہیں لیکن آپ نے تو بڑی آسانی سے اس فرق کو مٹا دیا علی شاہ۔"

اس کے لب و لہجے میں کانچ کی طرح ٹوٹ کر بکھر جانے والے مان اور اعتماد کی بے حرمتی کا دکھ تھا۔ علی شاہ کتنی دیر خالی الذہن کیفیت میں اسے دیکھے گیا۔ ہمیشہ کی طرح اس کی رفاقت میں شرمائی و گھبرائی رہنے کی بجائے چہرے پر بے اعتباری اور بد اعتمادی کی گہری چھاپ لگی تھی۔

"اسے اس کے عمل کی سزا ملی ہے زینب۔" وہ بہت ضبط سے بولا۔ اس کے وجیہہ چہرے پر چھائی سرخی گواہ تھی کہ اس کی قوت برداشت قابل رشک ہے۔

"آپ لوگ کون ہوتے ہیں کسی جیتے جاگتے انسان کو سزا سنانے والے؟ اور پھر کیا علینہ کا اس کی ذاتی زندگی پر کوئی حق نہیں تھا؟ کیا اسے اپنی مرضی اور اپنی پسند سے زندگی گزارنے کی اتنی بڑی سزا دی جانی چاہیے تھی؟"

وہ یکلخت چیخ اٹھی مگر بہت ضبط کرتے ہوئے بھی اس کی آواز بھرا گئی۔ وہ سختی سے لب بھینچے چائے کے کپ پر نظریں جمائے ہوئے تھا۔

"مانتی ہوں آپ سب سنگدل ہیں، بے حس ہیں، انسانی جانوں کو کیڑے مکوڑوں سے بھی حقیر سمجھتے ہیں مگر علی شاہ آپ نے میرے دل، میرے اعتماد اور سب سے بڑھ کر میرے جذبات و احساسات کو سخت ٹھیس پہنچائی ہے۔" اس کا لہجہ نوحہ کناں تھا وہ بے آواز رو رہی تھی اور اس کی پلکوں پر ہلکی سی نمی دیکھ کر بے قرار ہو جانے والا علی شاہ اس کے سامنے کسی بت کی مانند ساکت بیٹھا تھا۔ جیسے عقل و خرد سے عاری ہو گیا ہو۔

"آپ تو کہتے تھے کہ علینہ میں آپ کی جان ہے، جس پر زندگی لٹاتے لٹاتے اس کی جان ہی نکال لی آپ نے۔ کتنی بڑی بے ایمانی کی ہے آپ نے علی شاہ اور اس کی یہ حالت اس حادثے کی وجہ سے نہیں بلکہ آپ کو پاس دیکھ کر ہوئی ہوگی۔ اسی صدمے نے اسے جیتے جی مار ڈالا ہے۔"

اپنی [illegible] سہیلی کا دکھ اس کا کلیجہ شق کیے دے رہا تھا۔ ضبط جذبات سے علی شاہ کی مٹھیاں بھنچی ہوئی تھیں۔

"زینب تم یہاں سے چلی جاؤ۔" اس نے بہت سرد لہجے میں اسے حکم سنایا تھا۔

"یہ آئینہ ہے علی شاہ اور آئینہ دیکھنا ہر ایک کی مجبوری ہوتا ہے ورنہ تو ہر ایک اپنے اصلی خدوخال بھولنے لگتا ہے۔" وہ بے حد تلخی سے کہتی اسے کوئی اور ہی زینب لگی۔ وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"جو میری تقدیر میں لکھ دیا گیا ہے اس سے فرار ممکن تو نہیں مگر ہو سکتا ہے علی شاہ کہ زینب آپ کی رفاقت میں آئے تو محض ایک زندہ لاش ہو اور کچھ نہیں۔" وہ بھیگے لہجے میں کہتی بگولے کی مانند اس کے پاس سے گزرتی باہر نکل گئی۔

علی شاہ کتنی ہی دیر بے یقینی کے سمندر میں غوطہ زن رہا۔

زینب کے الفاظ، اس کا لب و لہجہ، اس کی ذہنی پراگندگی کا واضح ثبوت تھا۔ جو کچھ وہ اسے اشاروں میں سمجھا گئی تھی وہ دلبرداشتہ کر دینے والا سچ تھا۔ وہ صاف جتا گئی تھی کہ اب اس کی نظروں میں علی شاہ کا وہ مقام نہیں رہا جو ماضی میں تھا۔

یہ وہی زینب تھی جو علی شاہ کی ایک نظر پر سمٹ جاتی تھی اور اب یوں اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اسے ٹھکرا گئی تھی۔ جس سے علی شاہ جیسے نرم خو اور محبت کرنے والے شخص نے عشق کیا تھا اور وہ اسے اپنی خوش قسمتی سمجھتا تھا کہ زینب جیسی پڑھی لکھی لڑکی اس کی ہمسفر بننے والی تھی ورنہ اپنے خاندان کی رسومات سے وہ اچھی طرح واقف تھا۔ گزرتے وقت نے ان کے درمیان محبت کے ساتھ ساتھ ذہنی مطابقت اور اعتماد کو بھی بڑھاوا دیا تھا مگر اب وہ ششدر بیٹھا تھا۔ بساط الٹ گئی تھی۔

♣ — * — ♣

وہ جاگی تو وہی اجنبی فضا اور نامانوس سے در و بام اسے پریشان کرتے رہے۔ کتنی ہی دیر وہ کھوئے ہوئے انداز میں اونچی چھت پر نظریں جمائے رہی تھی۔ نور بی بی نے اسے جاگتے دیکھ کر آہستہ سے بی بی جان کا بازو ہلایا تو وہ ہڑبڑا اٹھیں۔ نور بی بی نے اس کی طرف اشارہ

کیا تو وہ بے قراری سے اٹھ کر اس کے بستر کی طرف
بڑھیں۔

"میں صدقے 'میری سوہنی دھی جاگ گئی ہے۔"
انہوں نے لپک کر اس کا سر بانہوں کے حلقے میں لے کر
سینے سے لگایا تھا۔

"میں ــ" اس نے کچھ کہنا چاہا مگر خشک ہوتے
حلق اور پپڑی زدہ ہونٹوں نے قوت گویائی سلب کر لی۔
وہ اس کی کیفیت سمجھ گئیں۔

"نوراں بی بی۔ جلدی سے گرم پانی کا برتن لاؤ اور
چھوٹی بی بی کا منہ ہاتھ دھلواؤ۔" انہوں نے فوراً پلٹ
کر نوراں بی بی سے کہا تو وہ باہر نکل گئی۔ وہ بڑی محبت سے
اس کے ریشمی سیاہ بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگیں۔

"ہوا کتنی کہہ رہی تھی کہ اب میری دھی بالکل
ٹھیک ہو جائے گی۔ بس ذرا یہ کمزوری دور ہو جائے۔"
وہ بے تاثر چہرے لیے خاموشی سے سن رہی تھی۔

نوراں بی بی نے اسے کسی کانچ کی گڑیا کی طرح سنبھال
کر بٹھاتے ہوئے ہاتھ منہ دھلوائے تھے۔ ذرا ہی دیر
میں وہ یوں نڈھال ہو گئی جیسے بدن میں جان ہی نہ رہی
ہو۔ بدن یوں دکھنے لگا جیسے کسی نے شکنجے میں کس دیا
ہو۔ اس کی سفید پڑتی رنگت اس کی تکلیف کی گواہ
تھی۔ بی بی جان کے دل کو جیسے کسی نے مٹھی میں جکڑ
لیا۔

انہوں نے ہمیشہ اسے پھولوں کی طرح رکھا تھا مگر
اب وہ قطعی بے بس ہو گئی تھیں۔ پہلے حویلی کے
سنگدل مکینوں کے آگے اور اب تقدیر کے سامنے۔

"نوراں بی بی! ذرا میری الماری میں سے ویزلین کی
شیشی اٹھا کر لانا۔ میں اپنی دھی کے ہونٹوں پر لگاؤں۔
اتنے خوبصورت ہونٹوں پر کیسے پپڑیاں جم گئی ہیں۔"
انہوں نے آنکھوں کے پانی کو دوپٹے سے رگڑتے
ہوئے کہا تو نوراں بی بی شیشی لے آئی۔
انہوں نے انگلی کے ساتھ ویزلین اس کے ہونٹوں پر
لگائی۔ وہ آنکھیں موندے لیٹی رہی۔

"کتنی سوہنی ہے میری دھی۔" انہوں نے بھرائے
ہوئے لہجے پر قابو پا کر بہت محبت سے پوچھا تو وہ آنکھیں
کھول کر انہیں دیکھنے لگی۔

وہی بے تاثر نگاہیں اور اجنبی انداز جو بی بی جان کو
مارے ڈالتا تھا۔

اس نے آہستہ سے اثبات میں سر ہلایا تو بی بی جان
کے چہرے پر طمانیت بھری مسکراہٹ جگمگا اٹھی۔

تھوڑی دیر کے بعد نوراں بی بی ٹرے سجائے ان کے
سامنے موجود تھی۔ بی بی جان نے تکیے اونچے کر کے
اسے خود سہارا دے کر بٹھایا اور بہت محبت سے نوالہ
توڑ کر سالن کے ساتھ لگاتے ہوئے اس کی طرف بڑھایا
تو اس نے جھجکتے ہوئے منہ کھول دیا۔

بمشکل اس نے کچھ نوالہ چبایا اور کچھ ویسے ہی
نگل گئی۔ انہوں نے اگلا نوالہ اس کی طرف بڑھایا تو وہ
ان کا ہاتھ پرے کرنے لگی۔

"مجھ سے نہیں کھایا جاتا۔ میرے دانت دکھتے
ہیں۔"

اس کی تکلیف اس کے بھرائے ہوئے لہجے سے
ظاہر تھی انہوں نے نوالہ واپس رکھ کر اس کی پیشانی
چوم لی۔

"میں بھی کتنی پاگل ہوں اتنے دن جوس اور دودھ
پھلوں پر گزارہ کرنے کے بعد ایک دم سے چھلکے پر
آ گئی۔ ابھی تو ذرا ٹائم لگے گا ناں۔" انہوں نے فوراً
اس کی دلگرفتی دور کرنے کے لیے قدرے ہنس کر کہا
اور ساتھ ہی نوراں بی بی کو جوس لینے کے لیے بھگایا۔

"مجھے بیٹھنے میں بھی تکلیف ہوتی ہے۔ جسم
پھوڑے کی طرح دکھتا ہے۔" اس کی آنکھوں کے
گوشے بھیگ رہے تھے۔ وہ تڑپ اٹھیں مگر اسے بڑے
حوصلے سے دلاسا دیا۔

"ٹھیک ہو جائے گا سب۔ اتنے دنوں سے بستر پر
پڑی ہو اس لیے ہڈیاں دکھتی ہیں۔ اب میں نوراں بی بی
سے کہوں گی روزانہ تمہیں تھوڑی چہل قدمی کرایا
کرے تاکہ ذرا ہاتھ پیر کھلیں۔"

نوراں بی بی نے جوس کا پیکٹ لا کر بی بی جان کو
تھمایا۔

"بی بی جان! بڑے سائیں کو اطلاع کر دوں بی بی

کے جاگنے کی؟" نور بی بی قدرے ہچکچاتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

بی بی جان نے گہری سانس لی اور مدھم آواز میں بولیں۔

"جاب ... بتاوے جاگ۔"

"کون آرہا ہے؟" علینہ کے چہرے سے خوف جھلکنے لگا۔

حشمت شاہ سے پہلی ملاقات نے ہی اس کے دل و دماغ میں خوف بھر دیا تھا۔ وہ جو باتیں کرتے وہ علینہ کی سمجھ میں نہیں آتی تھیں۔ مگر ان کے چہرے اور لہجے کی سرد مہری اور آنکھوں سے جھلکتی سفاکی اس کے وجود میں پھریری دوڑا جاتی تھی۔

"تمہارے بابا سائیں آرہے ہیں۔" انہوں نے کہا تو اس نے چند لمحے چھت کو دیکھتے رہنے کے بعد آنکھیں موند لیں۔

"مجھے سب کچھ کب یاد آئے گا بی بی جان؟ کب تک میں یوں خلاؤں میں بھٹکتی رہوں گی؟" وہ روندھے ہوئے لہجے میں کہتی ان کو تڑپا گئی۔

بی بی جان کے لیے یہ بھی غنیمت تھی کہ وہ ان کے کہنے پر انہیں بی بی جان کہنے لگی تھی۔ ورنہ تو وہ ہر ایک کو اجنبی اور سپاٹ نظروں سے دیکھے جاتی تھی کہ علی شاہ کو سامنے پاکر بھی وہ اجنبیوں کی طرح اس کی باتیں سنتی رہی اور وہ بمشکل خود پر قابو پاتا اٹھ کر چلا گیا۔

"سب ٹھیک ہو جائے گا علینہ۔ اللہ پر بھروسا رکھو وہ بڑا مسبب الاسباب ہے۔ تمہاری بھی۔"

وہ بہت دلگیر انداز میں اسے حوصلہ دے رہی تھیں۔ جب کھنکارنے کی آواز آئی تو وہ اس کے سر پر دوپٹہ اوڑھاتی خود بھی سنبھل کر بیٹھ گئیں۔

حشمت شاہ [illegible] تمکنت انداز میں [illegible] ہوئے تو علینہ کی زبان گویا تالو سے چپک گئی۔ [illegible] انہیں سلام بھی نہ کر سکی۔

"کیسی طبیعت ہے اب اس کی؟" وہ اپنی سرخ آنکھیں اس کے چہرے پر ٹکائے سرد مہری سے پوچھ رہے تھے۔

"جی۔ اب ٹھیک ہوں۔" وہ بمشکل بہت [illegible] کہہ پائی۔

"پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اور نہ ہی پچھلی زندگی کو یاد کرنے کی۔ اب نئے سرے سے اپنی زندگی شروع کرو۔ بس خود کو یہ باور کرا لو کہ اس حویلی میں تمہارے ماں باپ اور بھائی بہن رہتے ہیں۔ خواہ مخواہ ماضی کے جھنجھٹ میں پڑنے کی خواری اٹھانے کی کوئی ضرورت نہیں۔"

وہ اکھڑے بیزار انداز میں کہہ رہے تھے اور علینہ کا حلق خشک ہوتا جا رہا تھا۔

"بس ہمارے حکم کے مطابق چلتی رہو۔ یہ حویلی اور اس کے قوانین اچھی طرح رٹ لو اور اس کی اونچی دیواروں کے پار کیا ہوا اور کیا ہو رہا ہے اس کے بارے میں سوچنے کی کوشش بھی مت کرنا۔ ورنہ ہو سکتا ہے کہ اس بار علی شاہ کی منت بھی کسی کام نہ آئے۔"

ان کا لہجہ بہت سرسراتا ہوا تھا۔ آنکھوں کی سرخی مزید بڑھ گئی تھی۔ وہ ایک جھٹکے سے پلٹ کر دروازے سے نکل گئے۔

بی بی جان نے سینے میں دبی سانس خارج کرتے ہوئے اس کی طرف دیکھا تو دل مسوس کر رہ گئیں۔ اس کی رنگت زرد پڑ گئی تھی اور آنکھوں کے گوشے بھیگ رہے تھے۔

انہوں نے اس کا دھیان بٹانے کے لیے جوس کا پیک اس کی طرف بڑھایا۔

"یہ لے میری دھی پی لے۔"

"بی بی جان۔ یہ مجھ سے خفا کیوں ہیں؟"

اس کی آواز سے خوف مترشح تھا۔

"نہیں میری جان۔ وہم ہے تمہارا۔ تمہارے بابا سائیں تو تم سے بہت محبت کرتے ہیں۔ بس ذرا طبیعت کے کھردرے ہیں۔"

بی بی جان نے دل میں اٹھتی ٹیس دباتے ہوئے اس کا خوف دور کرنا چاہا لیکن اس کا وجدان کچھ اور ہی کہہ رہا تھا۔

"پتہ نہیں کیوں جب بھی وہ آتے ہیں میرا دل

بچے کی طرح لرزنے لگتا ہے۔" اس کے بے بس لہجے میں تشنگی گھلی ہوئی تھی۔

"نہ میری ووہی! تیرے بابا سائیں ہیں وہ نہ ڈرا کر۔" انہوں نے آنسو ضبط کرتے ہوئے اسے چمکارا اور اسٹرا اس کے ہونٹوں سے لگا دیا۔ تبھی زینب اندر داخل ہوئی تھی۔

"شکر ہے خدا کا۔ تمہاری نیند ختم ہوئی۔ میں تو اکیلے بیٹھ بیٹھ کر بور ہو گئی تھی۔"

ملنہ پر نظر پڑتے ہی اس کا چہرہ خوشی سے چمکنے لگا۔ وہ بہت پیار سے کہتی آگے بڑھی اور اس کا رخسار چوم لیا۔ ملنہ کے ہونٹوں پر پھیکی سی مسکراہٹ دوڑ گئی۔ اسے اتنی پیار کرنے والی لڑکی سے بہت اپنائیت محسوس ہوئی تھی۔ زینب اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں پکڑ کر اس کے پاس بیٹھ گئی۔

"اب بستر کی جان چھوڑ بھی دو ملنہ۔ باغوں کے مالٹے تمہیں بہت یاد کر رہے تھے۔"

وہ قدرے شریر انداز میں بولی تو ملنہ نے تحیر سے اسے دیکھا۔

"مالٹے؟"

"بالکل۔ ہمارے باغ کے مالٹے۔ جن پر ہم ہر سیزن میں اپنی سہیلیوں سمیت دھاوا بول دیتی ہیں۔" زینب نے اس کی الجھن دور کرنے کی کوشش کی تو وہ سر ہلا کر پیچھے ہٹی۔ بی بی جان کی آنکھوں میں طمانیت اتر آئی۔

"بی بی جان! اب میں واپس چلی جاؤں؟" زینب ان سے پوچھنے لگی تو انہوں نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"تم تو تین چار دن رہنے کے ارادے سے آئی تھیں۔ ابھی تو ایک رات ہی گزری ہے۔"

بی بی جان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ چھو گئی۔ انہیں یاد آیا کہ علی شاہ تین روز سے لاہور گیا ہوا تھا اور ابھی مزید اس کا تین چار روز کام کے سلسلے میں وہاں رکنے کا ارادہ تھا کہ زینب نے اتنے ہی دن حویلی میں رکنے کا پروگرام بنایا تھا مگر آج اچانک تین روز پہلے ہی علی شاہ کے واپس آجانے سے اس کا پروگرام ملیامیٹ ہو گیا تھا۔

"میں تو چاہ رہی تھی کہ تم رہو ابھی۔" بی بی جان نے واقعی اپنے دل کی بات کہی تو وہ بے بسی سے انہیں دیکھنے لگی۔

"کل پرسوں تک میں اماں کے ساتھ پھر آجاؤں گی۔"

"چلو ٹھیک ہے، پر جاؤ گی کیسے؟" بی بی جان رضامند ہو گئیں پھر خیال آنے پر پوچھا۔

"ڈرائیور تو آگیا ہو گا شہر سے؟" وہ سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

"نہ۔" بی بی جان نے نفی میں سر ہلایا۔ "شہر [illegible] پڑی ہے میں تمہیں ڈرائیور کے ساتھ نہیں بھیجوں گی۔"

"نور بی بی کو ساتھ لے جاؤں گی بی بی جان۔" [illegible]

"کوئی ضرورت نہیں۔" بی بی جان کا انداز قطعی تھا۔ "میں علی شاہ سے کہتی ہوں۔ تب ساتھ بے شک نور بی بی کو بھی لے جانا۔" انہوں نے تردید کے لئے زینب کو منہ کھولتے دیکھ کر ساتھ ہی کہہ دیا تھا۔ وہ بے بسی سے ملنہ کو دیکھ کر رہ گئی۔ جو گم صم سی اسٹرا ہونٹوں میں دبائے بیٹھی تھی۔

♣ — * — ♣

حشمت شاہ ماتھے پر تیوریاں لئے سامنے سنگل صوفے پر سر جھکائے بیٹھے علی شاہ کو دیکھ رہے تھے۔

"شکر کرو کہ میں نے اس کی جان بخش دی ہے صرف تمہارے کہنے پر۔" ان کا لہجہ دھیما مگر غراہٹ آمیز تھا۔ علی شاہ نے بہت ضبط سے انہیں دیکھا۔

"وہ میری بہن ہے بابا سائیں۔" اس کا انداز بہت سنجیدگی لئے ہوئے تھا۔

"عمر شاہ اور کبیر شاہ کی بھی بہن ہے وہ مگر ان دونوں کا خون تمہاری طرح ٹھنڈا نہیں ہے۔" حشمت شاہ کا طنز اسے تلوار کے گھاؤ کی مانند لگا مگر وہ ضبط کر گیا۔

"وہ اپنے کئے کی سزا بھگت چکی [illegible]

اگر آپ نے اسے مارا نہیں تو زندہ بھی نہیں چھوڑا۔ روز روز مرتی میں ہی ہم سے دور چلی گئی ہے۔" اس کے وجیہہ چہرے اور بھوری آنکھوں سے دکھ صاف ظاہر تھا۔ اک بے بسی آمیز تھکن سی تھی۔

"یہ ان کرموں کا پھل ہے جو اس نے کیے تھے۔ ہماری لغت میں حویلی کی عورتوں کی غلطیوں پر معافی کا لفظ موجود نہیں ہے۔ یہ تو تم تھے جو اس کی ڈھال بن گئے علی شاہ ورنہ میں خود اس کو گولیوں سے چھلنی کر دیتا۔" ان کی آنکھیں خون ہو رہی تھیں اور آواز سے سفاکی جھلکنے لگی تھی۔

"آپ ایسا نہیں کر سکتے تھے بابا سائیں۔" یکلخت ہی وہ ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مضبوط لہجے میں بولا۔ "وہ آپ کا اپنا خون ہے۔ اس حویلی کی عزت اور آپ کی اپنی بیٹی ہے۔"

"عزت گنوا دی میری بیٹی نے۔" وہ طیش کے عالم میں اٹھ کھڑے ہوئے تو علی شاہ نے بھی ان کی تقلید کی۔

"اگر وہ اس حویلی کی عزت ہوتی تو پھر اس کی عزت و آبرو کا خیال بھی رکھتی۔" وہ حقارت سے کہہ رہے تھے۔ "اور تم... مجھے تو لگتا ہے کہ تمہاری غیرت مر گئی ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو تم خود اس کے حلق میں گولیاں اتار دیتے۔"

"بابا سائیں۔" وہ دانت پر دانت جما گیا۔

"ہنہ۔" وہ پُر تنفر آواز میں اسے دیکھنے لگے۔ "یہی نقصان ہوتا ہے تعلیم کا۔ مرد کو مرد نہیں رہنے دیتی۔ عورتوں سے زیادہ بزدل بنا دیتی ہے۔"

ان کا حقارت سے بھرا انداز علی شاہ کا خون تپا رہا تھا مگر وہ سر جھکائے برداشت کرنے پر مجبور تھا۔ وہ کہہ رہے تھے۔

"غلطی [illegible] ڈال دیا۔ نہ تو اپنے ہم کے رہے اور نہ ہی ہمارے۔ ہم نے سوچا تھا پڑھ لکھ کے سیاست میں آؤ گے تو ہماری جڑیں مضبوط ہو جائیں گی، علاقے پر پورا کنٹرول ہو گا ہمارا۔ پر تم نے تو بیڑا ہی غرق کیا ہے ہمیں علی شاہ۔ الٹا تم ان کے مزارعوں کی شکایتیں سنتے پھرتے ہو۔

جو روز صبح سویرے ہمارے ہی جوتے کھانے کے لیے آ جاتے ہیں۔"

"بابا سائیں! ان باتوں سے بڑائی ختم نہیں ہو جاتی۔ تعلیم یہی سکھاتی ہے کہ امیر غریب میں کوئی فرق نہیں۔ مزارعے بھی ہماری طرح انسان ہیں اور ہمیں..."

وہ ضبط سے سرخ چہرے سلگتے لہجے میں کہہ رہا تھا مگر وہ تیزی سے اس کی بات کاٹ گئے۔

"کیڑے مکوڑے ہوتے ہیں یہ۔ علی شاہ مت بھلا کرو انہیں 'اپنی برابری' یہ تو ہمارا زمین پر گرا ہوا کھانے والے لوگ ہیں۔ ہماری تو پشتوں سے پشت ان پر حکمرانی کی ہے۔" ان کے انداز سے غرور جھلک رہا تھا۔ پھر وہ سرد لہجے میں بولے۔ "اور یہ آخری بار تھی علی شاہ اب اگر کبھی میں نے تمہیں یوں جھکتے دیکھا تو میں بھول جاؤں گا کہ تم میرے سب سے لاڈلے بیٹے ہو۔"

وہ پشت پر ہاتھ باندھے قالین پر نظریں جمائے خاموش کھڑا تھا۔ انہوں نے ہنکارا بھرا۔

"اب جاؤ تم اور اپنے دماغ میں ذرا فرعونیت پیدا کرو۔ انگریزوں کی تعلیم حاصل کی ہے تو انداز بھی انہی کی حکمرانی والے اپناؤ۔"

وہ جلتا سلگتا دماغ لیے کمرے سے باہر نکل آیا۔ تو راہداری کے سرے پر نور بی بی نے پکار لیا۔ اس نے لمحہ بھر کو گہری سانس لے کر خود کو نارمل کیا اور اس کی طرف پلٹا۔

"کیا بات ہے؟"

"وڈی بی بی جان ہیں نا۔ آپ کو بلا رہی ہیں۔"

وہ لمحہ بھر کچھ سوچنے کے بعد زنان خانے کی طرف بڑھ گیا۔ حالانکہ اس وقت وہ اپنے اندر کے الاؤ کو سرد کرنے کے لئے صرف تنہائی کا طلبگار تھا مگر بی بی جان کا حکم مقدم تھا۔

"جی بی بی جان۔"

وہ کمرے میں داخل ہوا تو زہرہ [illegible] چادر سے [illegible] تو جھٹ چہرہ ڈھانپ لیا۔

"کیا کر رہے تھے پتر؟" بی بی جان نے پیار سے اسے دیکھا تھا۔

"کچھ نہیں بی بی جان بس یونہی۔" وہ گردن موڑ کر ملیحہ کو دیکھنے لگا جو چھت کی کڑیوں کو گھور رہی تھی۔

"یہ کب جاگی؟ کچھ کھایا ہے اس نے؟"

زینب نے تیکھی نظروں سے اسے دیکھا تھا مگر وہ اس کی طرف متوجہ نہیں تھا۔

"بس جوس پیا ہے۔ کچھ کھایا تو جاتا ہی نہیں ابھی اتنے دن منہ بند کئے رہی ہے تو اب ہاتھوں میں درد ہوتا ہے کچھ کھانے سے۔" بی بی جان اسے تفصیل بتا رہی تھیں۔

"ایک دم سے سخت چیزیں نہ دیں کھانے کو۔ دودھ اور جوس کے ساتھ دلیہ اور کھچڑی کھلائیں۔ آہستہ آہستہ انشاء اللہ کھانے لگے گی سب کچھ۔" وہ انہیں سمجھا رہا تھا۔ بی بی جان نے سر ہلایا پھر بولیں۔

"اب یوں کرو کہ زینب کو گھر چھوڑ آؤ۔ یہ ضد لگائے بیٹھی ہے۔" ان کی بات سن کر اس نے لب بھینچے اس کی پیشانی پر شکن ہو گئی۔

"ڈرائیور میرے ساتھ ہی شہر سے آیا تھا۔ گاڑی باہر ہی کھڑی ہے۔" اس کے ڈھکے چھپے انکار پر زینب کے اندر گہری ناراضی تھی۔

"میں نے کہا تھا بی بی جان میں ڈرائیور کے ساتھ چلی جاتی ہوں۔"

اس نے دبے دبے مگر تیکھے انداز میں بی بی جان سے کہتے ہوئے جیسے اسے جتایا کہ وہ یہ جان لے کہ اگر وہ اسے لے جانے کو راضی نہیں تھا تو اس کو بھی ایسا کوئی شوق نہیں تھا اس کے ساتھ جانے کا۔

"پاگل تو نہیں ہو [illegible] ڈرائیور [illegible] لو۔ وہ چھوڑ کے آتا ہے۔"

بی بی جان کا انداز خفگی بھرا تھا [illegible] قدرے [illegible] اس کا ذہن ابھی [illegible] اب تو زندگی اور رنگین [illegible] سے دل الجھ محسوس [illegible]

ہو رہا تھا۔ اس نے گہری سانس لے کر خود کو ریلیکس کرنے کی کوشش کی۔ اور ان کی طرف دیکھ کر مسکرا دیا۔

"او کے بی بی جان۔ آپ کا حکم سر آنکھوں پر۔"

"بیچارہ میرا بچہ اللہ لمبی حیاتی کرے۔"

اس کی فرمانبرداری نے ہمیشہ کی طرح ان کا دل جیت لیا۔ اپنے نرم خو طور اطوار کی وجہ سے ہی وہ ان کا لاڈلا رہا تھا۔ اس کے برعکس عمر شاہ اور سب سے بڑے "شاہ عالم" اور "مراد علی" حشمت شاہ کی تصویر تھے۔ وہی رعب داب اور وہی گرم مزاجی۔

"چلو نور بی بی۔ تم بھی ساتھ جاؤ۔" بی بی جان نے مودب کھڑی نور بی بی کو کہا تو وہ بے اختیار مسکرا دیا۔

"یہ کیا باڈی گارڈ کے طور پر جائے گی؟"

"جو بھی سمجھ لو۔" بی بی جان ہنس دیں۔

"میں جیپ نکالتا ہوں جا کر۔" وہ اچٹتی نگاہ سے ہوئے تاثرات لئے بیٹھی زینب پر ڈالتا باہر نکل گیا۔

زینب خاموش لیٹی ملیحہ پر جھکی۔

"اب میں چلتی ہوں ایک دو روز میں پھر چکر لگاؤں گی تب ہم باغ بھی جائیں گے۔" اس نے دوستانہ انداز میں کہتے ہوئے اس کی پیشانی چوم لی تو ملیحہ نے بھی مسکرانے کی کوشش کی تھی۔ وہ بی بی جان سے مل کر نور بی بی کے ہمراہ باہر آئی تو وہ جیپ میں موجود تھا۔ وہ نور بی بی کے ساتھ پچھلے حصے کی طرف بڑھی تو علی شاہ تلملا اٹھا۔

"تم آگے بیٹھو۔"

"ہاں سامنے۔" نور بی بی باچھیں پھیلا کر فرنٹ سیٹ کی طرف بڑھی تو وہ تیزی سے بولا۔

"تمہیں نہیں کہہ رہا نور بی بی۔ تم پیچھے ہی تشریف رکھو۔" پھر زینب کو گھورتے ہوئے بولا۔

"تمہیں چھوڑنے جا رہا ہوں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ ڈرائیور کے عہدے پر آ گیا ہوں۔"

وہ کچھ کہے بغیر اگلی سیٹ پر بیٹھ گئی البتہ دروازہ خوب "تسلی" سے بند کیا۔ اس کی تسلی کی [illegible] اب اس کے انداز علی شاہ کی پیشانی کے [illegible]

کرنے کو کافی تھے۔ ہولا۔" وہ بھی اتنی ہی "تسلی" سے دروازہ بند کر کے بیٹھا تو یکے بعد دیگرے ان دو "تسلیوں" پر پیچھے بیٹھی نوری بی بی نے حواس باختہ ہو کر مضبوطی سے سیٹ کو پکڑ لیا تھا۔

پتھریلے اور غیر ہموار راستے پر تیز رفتاری سے جیپ کو گویا اڑاتے ہوئے وہ لب بھینچے ونڈ اسکرین کے پار نگاہیں جمائے بیٹھا تھا۔ اونچے نیچے غیر ہموار راستے اور حد سے تیز رفتاری کی وجہ سے زینب مشکل میں پڑی ہوئی تھی۔ اگر سر سے سرکتی چادر کو سنبھالتی تو غیر متوازن ہو کر جیپ کی اچھل کود کا حصہ بننے لگتی اور اگر سیٹ کو مضبوطی سے پکڑ کر بیٹھتی تو چادر سر سے ڈھلکنے لگتی۔ اس ساری "سنبھالا سنبھالی" سے وہ کافی ہراساں ہو رہی تھی۔ تنگ آ کر وہ چیخی۔

"آپ جیپ کو مناسب رفتار سے نہیں "اڑا" سکتے؟"

علی شاہ نے بے حد چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ مسلسل جھٹکوں سے اس کی چادر سر سے ڈھلک گئی تھی اور تیز ہوا نے سنہری بال بکھیر دیے تھے۔ اس کی ابتر حالت دیکھ کر وہ بیساختہ مسکراہٹ دباتا سامنے دیکھنے لگا۔ اس نے جیپ کی رفتار قدرے نارمل کر دی تو وہ فوراً" چادر سے بال ڈھکنے لگی۔

"یوں لگتا ہے کہ ڈرائیونگ لائسنس آپ کو "فلائنگ کلب" والوں نے دیا ہے" اس کے طنزیہ لہجے پر وہ بے ساختہ ہنس دیا پھر شرارت سے پوچھنے لگا۔

"کیا خیال ہے پھر میں کافی نیچے جیپ نہیں اڑا رہا؟"

اس کی شوخی پر وہ طنزیہ انداز میں اسے دیکھنے لگی۔

"کافی نیچے بھی جیسے اڑا رہے ہیں وہ اوپر پہنچانے کے لئے کافی ہے۔"

[illegible]

"تمہاری اسی برجستگی اور ذہانت نے تو مجھے اپنا دیوانہ بنا رکھا ہے۔"

اس کا بشاشت آمیز توصیفی انداز زینب کی [illegible] کرنے کو کافی تھا مگر وہ فوراً" چہرہ موڑ کر بے اعتنائی اور بے پروائی کے مظاہرے کے طور پر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی جیسے اپنی غیر دلچسپی ظاہر کی ہو۔ اس کے موڑنے پر عکس علی شاہ کا چہرہ مسکراہٹ سے جگمگا رہا تھا۔ وہ زینب کی بے اعتباری و غیر متوقع رویے سے سخت دلبرداشتہ ہوا تھا مگر اب جبکہ وہ ساتھ محو سفر تھی، پاس تھی تو احساسات میں وہی مخصوص نرمی اترنے لگی جو ہمیشہ اسے سامنے پا کر علی شاہ کے لب و لہجے کو ملائمت اور اس کی نظر کو خمار بخش جاتی تھی مگر ساتھ ہی ساتھ اسے زینب کے دل و دماغ میں پنپنے والے وہم اور شکووں کا بھی علم تھا۔ چند لمحوں کی خاموشی کے بعد وہ خود ہی افسردگی سے بول اٹھا۔

"مجھے تمہاری بے اعتباری نے بہت ہرٹ کیا ہے زینو۔"

زینب کو اندازہ نہیں تھا کہ وہ اس موضوع کو لے کے بات کرنا شروع کر دے گا اس نے سنہری آنکھوں میں حیرت لئے علی شاہ کو دیکھا تھا۔

"میں نے؟" وہ طنز سے بھرپور تلخ لہجے میں بولی۔ "ہرٹ تو مجھے آپ نے کیا ہے 'اپنا اصلی چہرہ دکھا کر۔"

اس کے جملے پر علی شاہ کو بہت ضبط و تحمل سے کام لینا پڑا۔ ویسے بھی زینب ان کے خاندان کی واحد لڑکی تھی جو سب مردوں کے سامنے تو نہیں مگر علی شاہ کے آگے ضرور زبان درازی کر لیا کرتی تھی اور یہ بھی سچ تھا کہ اتنا حوصلہ اسے علی شاہ کی نرم خوئی اور دوستانہ انداز نے بخشا تھا۔ اس میں اتنی جرأت ضرور تھی کہ وہ جب جی چاہے علی شاہ کو احتساب کے لئے کٹہرے میں کھینچ لیتی۔

"مگر میں نے تمہارے ساتھ کوئی بددیانتی نہیں کی زینو۔ میں آج بھی اتنا ہی [illegible] ہوں تمہارے ساتھ۔"

اس کے پرسکون انداز پر زینب نے اسے حیرت اور تأسف سے دیکھا۔

"آپ یا تو بہت نادان ہیں یا پھر مجھے بے وقوف سمجھتے ہیں۔" وہ تنک کر بولی۔ "میں جس علی شاہ کو جانتی تھی وہ آج والا علی شاہ نہیں تھا۔ بددیانتی تو آپ نے کی ہے

"میرے ساتھ۔ اس علی شاہ کو مار کے۔" اس کا لہجہ بھرانے لگا تھا مگر وہ رکی نہیں، بہت دکھ سے کہتی رہی۔ "اس سے زیادہ ان فیئر کیا ہوں گے آپ میرے ساتھ کہ جو علی شاہ آپ کے پاس میری امانت تھا اسے آپ نے ویسے ہی میرے حوالے کرنے کی بجائے مار ڈالا۔" وہ سر جھکائے آنسو بہا رہی تھی۔ علی شاہ نے اسٹیئرنگ وہیل کو اتنی سختی سے جکڑ رکھا تھا کہ اس کے ہاتھوں کی سرخ رنگت سپیدی میں بدلنے لگی اور سبز رگیں ابھر کر نمایاں ہو گئیں۔ اسے ذہنی انتشار پر قابو پانے میں کچھ دیر لگی تھی پھر وہ بہت تحمل سے بولا۔

"یہ سب مجبوری تھی میری۔ میں جو کچھ کر سکتا تھا ملنہ کے لئے وہ میں نے کیا ہے۔ اس کی خاطر میں لوا عمر اور لوا کبیر کے آگے آ گیا۔ اس کی خاطر میں نے بابا سائیں کی روایات سے ٹکر لی۔ کیا اب بھی میں معتبر نہیں ہوں؟"

"نہیں۔" اس نے سختی سے سر جھٹکا اور چادر سے آنکھیں رگڑنے لگی۔ "اس سے اچھا تھا کہ آپ اسے بھی مر جانے دیتے۔ یوں زندہ رہنے سے تو اس کا اپنے شوہر کے ساتھ مر جانا ہی بہتر تھا۔ جسے اسے زندگی کی قید سے آپ نے نجات دلائی تھی ویسے ہی اپنی بہن کے جسم میں بھی گولیاں اتار دیتے تاکہ کل کو وہ ہوش میں آنے پر آپ کا گریبان نہ پکڑ سکے۔"

"یہ ٹھیک ہے کہ میں حویلی کی بعض غلط روایات کا مخالف ہوں مگر اتنا بے غیرت نہیں ہوں کہ ملنہ کے اس طرح نکاح کر لینے پر اسے شاباش دیتا۔ وہ مجھے اچھی طرح جانتی تھی۔ مجھ سے ایک بار بات کر کے تو دیکھتی۔ میں اس کی خاطر جان بھی دے سکتا تھا۔ بابا سائیں کے فیصلے سے ٹکرانا معمولی بات تھی۔ مگر پھر

[illegible] پشیمانی [illegible] اب کی بار اس [illegible] زینب کا جی چاہا کہ اس ملنہ کو نوچ لے۔ اس کو تمام محبت تحلیل ہوتی محسوس ہونے لگی تھی۔

"کیسے آپ ساتھ دینا کہتے ہیں؟ اس کی زندگی کی خوشی چھین کر اسے لاش کی طرح زندگی بسر کرنے پر مجبور کر دیا ہے آپ نے اور اس بات پر آپ اتنا فخر کر رہے ہیں؟"

وہ دکھ کے گہرے سمندر میں غرق تھی۔

"میں نے اس کے حق میں کچھ بھی برا نہیں کیا۔ میں نے ملنہ کے ساتھ جو بھی کیا اس پر مجھے کوئی پشیمانی، کوئی پچھتاوا نہیں۔ مجھے دکھ ہے تو فقط اس بات کا کہ وہ یوں اجنبیوں کی طرح زندگی گزار رہی ہے مجھے پہچانتی نہیں ہے۔"

علی شاہ کا پرسکون انداز زینب کو پاگل کر دینے کو کافی تھا۔ کیسا شخص تھا وہ جو اتنے سفاکانہ عمل کے بعد بھی اس قدر مطمئن اور پرسکون تھا۔ خود کو حق پر سمجھ رہا تھا۔ اس کا دل خون کے آنسو رونے لگا۔

مجھے یہ علی شاہ نہیں چاہئے خون کی ہولی کھیلنے والا۔ کسی کے ہونٹوں کی ہنسی نوچ لینے والا۔ کسی کی زندگی کی بہاروں کو خزاؤں میں تبدیل کر دینے والا۔

کس قدر سفاکی اتر آئی ہوئی اس لمحے اس کی آنکھوں میں۔ یا خدا کیا میں اب بھی اس کی آنکھوں میں دیکھ پاؤں گی؟ وہ کھڑکی سے باہر دیکھتی دکھوں کے حصار میں گھری تھی۔ اسے بالکل بھی خبر نہیں تھی کہ دل کا درد آنکھوں کے ذریعے بہہ رہا تھا۔

علی شاہ نے بلند سیاہ گیٹ کے آگے جیپ روکی تو وہ بے تحاشا چونک اٹھی۔ پھر سنبھل کر دروازہ کھول کر نیچے اترنے لگی تو بے اختیار علی شاہ نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ وہ کرنٹ کھا کر پلٹی تھی۔ اس کی شنگرفی آنکھوں میں گھلتی سرخیوں نے علی شاہ کو متاسف کر دیا۔

"جا رہی ہو؟" دھیمی سی مسکراہٹ کے ساتھ یوں پوچھا جیسے ان کے درمیان ناراضگی کا کوئی لمحہ ہی نہ ہو۔

"جا تو رہی ہوں علی شاہ مگر اتنا ضرور جانتی ہوں اب واپس آپ کی طرف آنا میرے لئے بہت مشکل ہو گا۔ میں ہمیشہ سے پھولوں پر چلنے کی عادی رہی ہوں

"آپ نے تو میری راہوں میں کانٹے ہی کانٹے بکھیر دیے
ہیں یہ سوچے بغیر کہ ان راہوں پر چل کے مجھے آپ
تک آنا تھا۔ آپ نے بہت برا کیا ہے میرے ساتھ
یہ جانتے ہوئے بھی کہ میں تمہارا نہیں جانتی اپنے اور
تمہارے بیچ سات سمندر حائل کر دیے بہت مشکل ہے
علی شاہ بہت۔" وہ بھیگے ہوئے ٹوٹے بکھرے لہجے میں
علی شاہ کی ڈھیلی پڑتی گرفت میں سے ہاتھ چھڑا کر
پیچھے ہٹ گئی۔ اس نے انکار کیا تھا؟ ابھی علی شاہ کو اندر نہیں
بلایا تھا۔

لالہ اسے دیکھ کر حیران رہ گئیں۔
"تم تو تین چار روز کا کہہ رہی تھیں آج ہی
آگئیں؟"
بھیگا چہرہ اور دگرگوں انداز لیے وہ لالہ کا سامنا
کرنے کو قطعی تیار نہ تھی۔ ان کی طرف سے رخ موڑ
کر چادر تہہ کرنے لگی۔
"بس وہاں دل ہی نہیں لگا۔"
"طبیعت کیسی ہے اب؟" وہ پوچھ رہی تھیں۔
"ٹھیک ہی ہے جیسی پہلے تھی۔"
وہ اپنی آواز پر قابو پاتی الماری میں سے دوپٹہ
نکالنے لگی۔
لالہ تھوڑی دیر کے بعد کھانے کا انتظام دیکھنے
کے لیے اٹھ گئیں تو اس نے گہری سانس لے کر خود کو
بستر پر گرا لیا۔
اس نے گزرے دنوں میں جتنا علی شاہ کو ملنے
والے قصے کے تناظر میں سوچا تھا اتنا ہی اس سے متنفر
ہوتی گئی۔
"کیوں کیا تم نے ایسا علی شاہ۔ تمہیں معلوم تھا کہ
میں تم سے کس قدر محبت کرتی ہوں" اس کی آنکھیں
پھر سے چھلکنے لگیں۔
[illegible] دل کے [illegible]
روشنی کا [illegible] علی شاہ کیسے پہنچ گئے اس دل میں
اب [illegible]
"چھوٹی بی بی! لالہ سائیں کہہ رہی ہیں کہ آکر
کھانا کھالیں۔" ملازمہ نے آکر اسے لالہ کا پیغام دیا تو

اس نے کروٹ بدل کر کمبل اوڑھ لیا اور بھرائی ہوئی
آواز پر قابو پا کر سختی سے بولی۔
"مجھے بھوک نہیں ہے۔ میرا سر درد کر رہا ہے
میں سونے لگی ہوں۔ اب مت اٹھانا مجھے۔"
"پھر دودھ کا گلاس ابھی دے جاؤں؟"
"صبح پی لوں گی اب تم جاؤ۔" اس نے بات ختم
کر کے اسے چلتا کیا۔ جو کچھ ہو گیا تھا اس نے اس کی
بھوک پیاس تو کیا نیندیں بھی اڑا کر رکھ دی تھیں۔
حویلی کے مردوں یا خاندان کے مردوں کے اطوار
کسی سے چھپے ہوئے نہیں تھے بلکہ علی شاہ کا عمل تو
بہت سراہا گیا تھا۔ لیکن زینب کے لیے یہ سب قبول
کرنا بہت مشکل تھا۔ اگر علی شاہ ہمیشہ سے ایسا ہی ہوتا
تب وہ اس کے ساتھ یوں ہی مطمئن رہتی مگر علی شاہ
شروع ہی سے سب مردوں سے الگ اور ممتاز رہا تھا۔
تعلیم نے فقط اسے ڈگریاں ہی نہیں فہم و فراست اور
شعور بھی دیا تھا۔ اس کی نرم خوئی، دوستانہ انداز اور
محبت بھرے دل نے اس کی شخصیت کو دو آتشہ کرنے
کے ساتھ ساتھ ہر دل عزیز بھی بنا دیا تھا۔ اسی لیے اب
زینب کا دل اس میں یہ خامی اور سنگدلی کا داغ برداشت
کرنے کو تیار نہیں تھا۔

◆ — * — ◆

لالہ کو بی بی جان کے ساتھ محو گفتگو چھوڑ کر وہ
بلند کو ساتھ لیے لان میں آگئی۔
"کتنا اچھا موسم ہو رہا ہے نا؟" زینب نے اسے
بولنے پر مجبور کرنا چاہا۔ ویسے بھی اب وہ کافی حد تک
باتیں کرنے لگی تھی۔ اس کی بات پر فقط مسکرا دی مگر
زینب ہاری نہیں۔
"پتہ ہے میرا دادا آرہا ہے رمضان شاہ۔"
"کہاں سے آرہے ہیں؟" وہ معصومیت سے
اسے دیکھ رہی تھی۔
"میرا دادا ڈاکٹر ہے۔ اسپیشلائزیشن کے لیے امریکہ
گیا ہوا تھا۔ ویسے بلند وہ آئے گا تو تم سے بہت ملے
گا۔"
زینب نے اس کی معلومات میں اضافہ کرتے

ہوئے آخر میں اسے دھمکایا تو وہ واقعی ڈر گئی۔
"کیوں۔ میں نے کیا کیا ہے؟ میں تو انہیں جانتی بھی نہیں۔" وہ خائف سی بولی تو زینب نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔
"اسی بات پر تو لڑے گا کہ تم اسے بھول گئی ہو۔"
"میں تو سب کو بھول گئی ہوں۔" وہ آزردہ ہونے لگی تو زینب نے اس کا ہاتھ تھام کر اسے اپنے ساتھ گھاس پر بٹھا لیا۔
"سب ٹھیک ہو جائے گا علینہ۔ بس تم سب رشتوں کو دل سے محسوس کرو۔ محبت تو اندر سے اٹھتی ہے۔ بہت جلد تم سب سے مانوس ہو جاؤ گی۔" وہ بہت پیار سے اسے تسلی دے رہی تھی۔
"مگر یہ سب۔ بہت عجیب ہے یا مجھے ہی عجیب لگتا ہے۔" وہ روہانسی ہونے لگی۔ زینب نے دوستانہ انداز میں اس کا ہاتھ دبایا تھا۔
"کیا عجیب لگتا ہے؟"
"سب کچھ۔" وہ الجھی۔ "لالہ عمر اور لالہ کبیر سے مجھے بہت خوف آتا ہے۔ میں ان سے زیادہ تو نہیں ملی مگر ان کی آنکھیں۔" اس نے خوفزدہ انداز میں کہتے ہوئے یکلخت جھرجھری لی تھی۔ زینب کا دل دکھ سے بھرنے لگا تھا مگر اس نے بات سنبھالی۔
"وہ تو ان کی نیچر ایسی ہے ورنہ بھائی ہیں تمہارے۔ پتہ ہے نا حویلیوں کے مرد کتنے اکھڑ اور سنگدل ہوتے ہیں۔"
"نہیں زینب۔" اس نے نفی میں سر ہلایا۔ "ہر کوئی ایسا نہیں ہوتا۔ علی بھائی بھی تو اسی حویلی میں رہتے ہیں [illegible] کتنی نرمی اور پیار سے بولتے ہیں۔ [illegible] محبت جھلکتی ہے ان کی آنکھوں سے۔ بی بی جان کی کتنی عزت کرتے ہیں بڑے لالہ کی طرح [illegible] انداز میں ذکر بھی [illegible] اور مجھ سے کتنی محبت کرتے ہیں زینب۔ میری ذرا سی تکلیف پر وہ بے چین ہو جاتے ہیں۔ ان دو ماہ میں تمہارے علاوہ وہ اور بی

بی جان ہی ہیں جن سے میں نے کبھی اجنبیت محسوس نہیں کی۔" اس کی آنکھوں میں ابھرتی مسرت آمیز چمک اور ہونٹوں پر پھیلی پرسکون سی مسکراہٹ زینب کا دل چیر گئی۔
اور جب یہ حواس میں لوٹ آئے تو سب سے پہلے علی شاہ کو گولی سے اڑا دے۔ زینب کا دل گھبرانے لگا۔ وہ اب اس کی طرف متوجہ ہوئی۔
"بی بی جان کہہ رہی تھیں کہ تم علی بھائی کی منگیتر ہو۔"
زینب نے لب بھینچ کر اسے دیکھا۔ علینہ کا چہرہ جگمگا رہا تھا۔ وہ بمشکل مسکرائی اور اثبات میں سر ہلا دیا۔
"تم دونوں بہت خوش قسمت ہو۔ اتنے اچھے لوگوں کو ایک دوسرے کے لیے ہی ہونا چاہیے تھا۔" علینہ نے بہت محبت سے کہا تو اس کی آنکھیں نم ہونے لگیں۔ جبکہ وہ اس کی دلی و ذہنی کیفیت سے بے خبر بہت خوشی سے اسے بتا رہی تھی۔
"بی بی جان کہہ رہی تھیں کہ اگلے ماہ ہم زینب کو اپنی حویلی میں لے آئیں گے۔"
زینب نے بے یقینی سے اسے دیکھا تو وہ مسکرا دی۔ ان دو ماہ میں پہلی بار زینب نے اسے اتنا خوش دیکھا تھا۔ اس کی سیاہ آنکھیں خوشی سے جگمگا رہی تھیں۔ کتنی خوبصورت تھی وہ مگر اس کے نصیب۔
"میرے لالہ کی بھی منگنی ہوئی تھی مگر ٹوٹ گئی۔" زینب نے فوراً بات پلٹ ڈالی تھی۔ اور علینہ میں ابھی اتنی ذہنی چستی نہیں آئی تھی کہ وہ سمجھ پاتی۔ اس کے [illegible] وہ تاسف سے پوچھنے لگی۔
"وہ کیسے؟"
"بابا سائیں نے بچپن ہی سے ان کی بات [illegible] سائیں کی بیٹی رقیہ سے طے کر دی تھی۔ ہم میں سے کوئی بھی راضی نہیں تھا مگر بابا سائیں کے آگے بولنے کی ہمت بھی کسی میں نہیں۔ لالہ بے شک اکھڑ بن گیا مگر بابا سائیں کے فیصلوں سے انکار نہیں کر سکتے اس لیے اس نے خاموشی سے اس جبر کو برداشت کر لیا مگر خدا کو شاید اس کا یہ صبر پسند آیا اور بابا سائیں اور [illegible]

سائیں کے درمیان جائیداد کا جھگڑا کھڑا ہونے کی وجہ
سے یہ رشتہ ختم ہو گیا۔"

زینب بہت تفصیل سے اسے بتا رہی تھی۔ ملنہ
نے تجسس سے پوچھا۔

"تمہارے ابا تو بہت خوش ہوں گے؟"

"ہے ویسے۔" زینب ہنسی۔ "ان کا بس چلتا تو وہ
اڑ کر مجھ سے مبارکباد وصول کرنے یہاں آجاتے۔"

"تو ان کی منگیتر کیا اچھی نہیں تھی؟"

"ان پڑھ اور گنوار۔ کبھی اسکول کی شکل نہیں
دیکھی اس نے۔ حالانکہ ہمارے خاندان میں بھی
لڑکیوں کو پڑھنے سے روکا نہیں گیا۔"

زینب نے بتایا تو وہ پوچھنے لگی۔

"کیوں انہیں روکتے ہیں؟"

"کیونکہ انہیں پتا ہوتا ہے کہ جب جی چاہے وہ
ان کے پر کاٹ سکتے ہیں۔" وہ گہری سانس لے کر بولی۔

"زینو۔ میں بھی پڑھتی تھی کیا؟" وہ بہت اشتیاق
سے پوچھ رہی تھی۔ زینب نے چونک کر اسے دیکھا پھر
آہستگی سے اثبات میں سر ہلا دیا۔

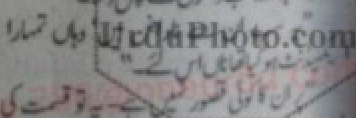
"کون سی کلاس میں؟" اس نے بے تابی سے
پوچھا۔

"تم شہر میں تھیں۔ اوی زرینہ کے پاس۔ ایم
اے کر رہی تھیں تم۔"

"وہاں میں ایم اے کر رہی تھی۔" وہ مسرور
ہونے لگی۔ پھر اس کی ذہنی رو بھٹکی۔

"اوی زرینہ اب مجھ سے ملنے کیوں نہیں آتیں؟
بس ایک ہی بار آئی تھیں تب بابا سائیں اور لالہ کبیر ان
سے [illegible] اس کے بعد وہ کبھی نہیں آئیں۔"

زینب نے لب دانتوں تلے کچل ڈالا۔



"[illegible] وہاں تمہارا
[illegible] اس لیے
ان کا کوئی قصور [illegible] ہے۔ یہ تو قسمت کی
بات ہے [illegible]"

[illegible] کے بولی۔ تو زینب اسے چاہتے ہوئے
[illegible] کہ اوی زرینہ کا اس حویلی میں ہمیشہ کے
لیے آنا اس لیے بند ہو گیا ہے کہ بابا سائیں کے خیال
میں ان کی بے پروائی کی وجہ سے ملنہ ان راستوں پر
چل نکلی تھی جو اسے باغی کر گئے تھے۔ سزا کے طور پر
اوی زرینہ سے سارے رشتے توڑ دیے گئے اور وہ روتی
ہوئی واپس لوٹ گئی تھیں۔

"ہاں۔" اس نے سینے میں دبی سانس خارج کی۔

"یہ سب کیا دھرا قسمت ہی کا ہے۔"

"مجھے یہاں بہت ڈر لگتا ہے زینو۔" وہ خوفزدہ
انداز میں بولی تو زینب نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"کیسا ڈر کس بات کا؟ تمہیں کچھ یاد نہیں تو کیا
ہوا ان سب کو تو پتہ ہے نا کہ تم ان کی بہن ہو بیٹی ہو۔"

"پتہ نہیں۔ لیکن مجھے یوں لگتا ہے جیسے کوئی مجھے
پکار رہا ہو، جیسے مجھے کوئی اپنی طرف کھینچ رہا ہو مجھے۔
تب مجھے بہت خوف آتا ہے زینو۔ میرا دل چاہتا ہے کہ
میں یہاں سے چلی جاؤں۔" وہ بہت بے بسی سے کہہ
رہی تھی۔ زینب نے اس کا ہاتھ تھپتھپایا۔

"ڈرو نہیں سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

اس کی تسلی کے جواب میں ملنہ نے پلکیں
جھپکتے ہوئے نمی کو اندر ہی کہیں اتار لیا تو وہ مسکرا دی۔
تبھی چوکیدار نے بلند و بانگ گیٹ کھولا اور علی شاہ کی
سیاہ جیپ سیمنٹ اور بجری سے بنی روش پر تن رکی۔
زینب نے بعجلت ملنہ کو اٹھنے کا اشارہ کرتے
ہوئے اندر جانے کا قصد کیا ہی تھا کہ وہ اسی اثنا میں ان
کی طرف آ گیا۔

"ہیلو سسٹر۔"

وہ آ کر اسے بالکل نظر انداز کرتے ہوئے بہت
خوشدلی سے ملنہ سے مخاطب ہوا تو وہ سلگ کر رہ گئی۔

"ہنستے بستے سسٹر کی زندگی میں پھول ہی پھول
کھلائے ہوں۔" ملنہ بھی خوشدلی سے مسکرائی تھی۔
اسے کچھ یاد تو نہیں تھا مگر علی شاہ کی پر محبت توجہ اور پیار
اسے اپنی طرف کھینچتا تھا۔ وہ چاہتے ہوئے بھی اس
سے اجنبیت نہیں برت پاتی تھی۔ اس نے علی شاہ کے
پاس تصویروں کے کئی البم دیکھے تھے جن میں سب
بہن بھائیوں کی بچپن سے لے کر جوانی تک کی یادگار

تصویریں تھیں۔ ملنہ نے دیکھا کہ سب سے زیادہ
تصویریں اس کی علی شاہ کے ساتھ ہی تھیں۔
"آپ تو بالکل ٹھیک ہو تم۔" وہ جوش بھرے
انداز میں اس سے الجھ رہا تھا۔ زینب بے تاثر انداز میں
پھولوں پر نظریں جمائے خاموش بیٹھی تھی۔
"لیکن۔ میں کہاں جاؤں گی۔ میرا دل نہیں
چاہتا۔" ملنہ نے بے بسی سے کہا تو وہ اسے گھورنے
لگا۔
"ملنہ تم میرے ساتھ باغ میں چل رہی ہو۔ وہاں
کے مالی تمہیں بہت دعائیں دے رہے ہیں۔"
"زینب چلے گی تو میں بھی چلی جاؤں گی۔" اس
نے سادگی سے کہتے ہوئے زینب کی طرف دیکھا جو بے
حد سنجیدہ تھی۔
"تم بھی تو کہہ رہی تھیں باغ میں جانے کا۔ کل
چلیں گے۔"
زینب نے نفی میں جواب دینے کے لیے سر ہلایا
اور ساتھ ہی ہونٹ ذرا سے کھولے مگر اس سے پہلے ہی
وہ بول اٹھا۔
"تو پھر ٹھیک ہے صبح دس بجے تک بالکل تیار
رہنا۔"
"ملنہ میرا بالکل بھی جی نہیں چاہ رہا اور ویسے
بھی میں تو ابھی اماں کے ساتھ واپس چلی جاؤں گی۔"
اس نے بدستور اسی سنجیدگی سے کہا تو علی شاہ نے تیکھی
نظروں سے اسے دیکھا۔
"پھر میں اکیلی جا کر کیا کروں گی؟"
ملنہ بے بسی سے علی شاہ کی طرف دیکھنے لگی۔
"تمہیں کیا تکلیف ہے چلنے میں؟" وہ براہ
راست زینب سے پوچھنے لگا تو وہ گڑبڑا گئی۔
[illegible] بھی تم
[illegible] کسی کی مرضی کی پابند نہیں ہوں۔" اس
نے جلد ہی خود کو سنبھال لیا تھا۔
"ہاں۔ حقیقت سے تم واقف ہی ہو۔" اس کا
[illegible] انداز زینب کو خاک کر گیا۔

"واقعی۔ حقیقت سے تو میں ہی واقف ہوں۔"
زینب نے وہی انداز اسے لوٹایا تھا۔ وہ لب بھینچ کر رہ گیا۔
ملنہ بیچاری باری باری ان دونوں کا منہ دیکھ رہی تھی۔
وہ گہری سانس لے کر بولا۔
"چلو ملنہ یوں کرتے ہیں ہم تھوڑے دن بعد کا
پروگرام رکھ لیتے ہیں۔"
"ہاں۔ یہ ٹھیک ہے۔" وہ مطمئن ہو گئی ویسے بھی
جی تو اس کا بھی جانے کا نہیں چاہ رہا تھا۔
"تم نے تو شاید دل توڑنے کو عبادت بنا لیا ہے۔"
کاٹن کے بلیو لباس پر شال اوڑھے زرد دھوپ میں
اس کی رنگت چمک رہی تھی۔ علی شاہ نے جانچتی
نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے بے حد طنز سے کہا تو وہ
لب کچلتی ملنہ کو دیکھنے لگی۔
"آپ دونوں خفا ہیں کیا؟" ملنہ نا سمجھنے والے
انداز میں پوچھ رہی تھی۔
"ارے نہیں۔" اب کی بار بھی وہی فوراً بولا
تھا۔ "خفگی تو بہت چھوٹی شے ہے۔"
اس کا لب و لہجہ جلانے والا تھا اور جس کو جلانا
مقصود تھا وہ محسوس کر رہی تھی۔ اسے سرخ چہرے کے
ساتھ سر جھکائے بیٹھا دیکھ کر وہ ملنہ کا سر تھپکتا اندر
چلا گیا۔ اتنی دیر میں پہلی بار زینب نے تسلی سے
سانس لی تھی۔ اندر کے خلفشار کو دبانے کے لیے وہ
کتنی ہی دیر ملنہ کے ساتھ وہیں بیٹھی باتیں کرتی رہی۔

♣ — * — ♣

"کیا ایک بہت ہی شریف بندہ اندر تشریف لا سکتا
ہے؟"
اس قدر اچانک "نزول" پہ ہیر پرتی ملنہ کے
ہاتھ سے چھوٹ گیا وہ جو اس بانٹ سی [illegible] تھی۔ وہ بہت
شرارت سے مسکراتا دروازے کے بیچ کھڑا تھا۔ ملنہ
نے [illegible] چیخ کر سر پہ [illegible] لیا۔
"آپ۔"
"جی۔" وہ چند قدم آگے بڑھ آیا۔ "کیا میرے
[illegible] یقین نہیں آیا [illegible]

ہوں جس کا ابھی میں نے ذکر کیا تھا۔"

"آپ۔ کون ہیں؟" وہ خائف سی پیچھے ہٹ گئی۔

"چچ چچ۔ بڑے افسوس کی بات ہے تمہارے لئے اور بڑے شرم کی بات ہے میرے لئے۔" وہ بہت تاسف سے کہہ رہا تھا۔ "یعنی کہ تم مجھے نہیں جانتیں؟" اس کے انداز میں حیرت تھی۔

علینہ نے بے بسی سے نفی میں سر ہلا دیا۔

"تو۔ یعنی اب پھر سے مجھے تم سے دوستی کرنے کے لئے وہی پاپڑ بیلنے پڑیں گے؟"

وہ گویا کسی بہت بڑے صدمے کی گرفت میں آیا تھا۔ قریب تھا کہ علینہ گھبرا کر چیخ اٹھتی علی شاہ آ گیا۔ تب وہ ہنسنے لگا۔

"یہ تو بالکل بھلکڑ ہو گئی ہے۔ یعنی کہ اب مجھے بھی نہیں پہچانتی۔"

"شٹ اپ۔" علی شاہ کا انداز بہت بے تکلفانہ تھا۔ پھر وہ علینہ کی طرف متوجہ ہوا جو ہراساں سی کھڑی تھی۔

"یہ ارمغان ہے۔ ہمارا پھوپھو زاد۔ زینب کا بھائی۔"

اس نے تعارف کرایا تو علینہ کی جان میں جان آئی۔ اس نے سر ہلا کر گویا سلام کی روایت نبھائی تھی۔

علی شاہ اسے ساتھ لئے پلٹ گیا تو اس نے گہری سانس لی۔ اور جھک کر شاپرز اٹھانے لگی۔ اس کے ذہن میں پھر سے لہریں اٹھنے لگی تھیں۔

اے خدا۔ میری مشکل آسان کر۔

وہ سوچوں میں غلطاں چھوٹی چھوٹی سی چیزیں تہہ کر کے الماری میں رکھ رہی تھی جب وہ پھر آ گیا۔

"یہ لو بھئی۔ سنبھالو اپنی امانت۔"

[illegible] کی طرف بڑھا تھا۔ [illegible] اسے دیکھنے لگی۔

"یہ ... کیا ہے؟"

"یہ وہ سب چیزیں ہیں جو مجھے واپس کرنے کے لئے اور تمہاری قیمتی زینب شاہ نے منگوائی تھی

سازش کی تھی۔"

وہ ہنستے ہوئے بولا۔ علینہ کو تاؤ آیا۔ ابھی اس سے ملاقات ہوئی تھی اور اب یوں اس سے بے تکلف ہونا اسے بالکل بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

"تم تو علینہ ہو۔ میں کوئی اور نہیں وہی ارمغان ہوں جس سے تم چیزیں چھین لیا کرتی تھیں۔ جس کے بیڈ روم سے تم ساری پرفیوم اٹھا لیا کرتی تھیں۔"

وہ بے حد دوستانہ انداز میں کہہ رہا تھا۔ علینہ نے مجبوراً اس کے ہاتھ سے شاپنگ بیگ لے لیا۔ اس کا خیال تھا کہ اب وہ چلا جائے گا مگر اس کا یہ خیال بالکل غلط ثابت ہوا وہ وہیں جما کھڑا تھا۔

"کھول کے دیکھو نا۔"

وہ قدرے جھنجھلایا تو وہ خاموشی سے بیگ میں سے چیزیں نکال کر بستر پر رکھنے لگی۔

قیمتی پرفیوم' اسکارف' اور خوبصورت سا واک مین۔

"سب سے قیمتی اور تمہاری خوبصورت چیز یہ ہے۔" اس نے آگے بڑھ کے ایک ڈبہ اٹھا کر اسے دکھایا۔ وہ بے بسی سے اسے دیکھنے لگی۔ وہ گہری سانس لے کر ڈبہ کھولنے لگا۔ اور پھر اس کے سامنے کر دیا۔

ڈھیر ساری چاکلیٹس دیکھ کر وہ تحیر سے اسے دیکھنے لگی۔

"یہ تمہیں نشے کی حد تک پسند تھیں۔ مجھے ابھی تک یاد ہے۔"

وہ مسکرا رہا تھا اور علینہ سخت الجھن محسوس کر رہی تھی۔ ایک قطعی اجنبی شخص کی بے تکلفانہ باتیں اسے بوکھلا رہی تھیں۔

"دیکھیں آپ مائنڈ مت کیجئے گا۔ دراصل میری پرابلم۔" باوجود ضبط کے بھی اس کی آواز بھیگنے لگی تو وہ رخ موڑ کے یونہی اس کی لائی چیزوں کو چھیڑنے لگی۔

ارمغان شاہ فوراً اس کی کیفیت سمجھ گیا۔

واقعی وہ ایک اجنبی سے پہلی ہی ملاقات میں اتنی بے تکلفی سے بات نہیں کر سکتی تھی جس کی ارمغان پہلے کی طرح اس سے توقع کر رہا تھا۔

"ہو کے کزن۔ پھر ملیں گے۔" اس نے گہری سانس لیتے ہوئے ایک نظر اس کے جھکے چہرے پر ڈالی۔
"شکر تم ٹھیک ہو جاؤ۔ ورنہ پھر سے انجکشن لگوانے پڑیں گے۔"
وہ جاتے جاتے شرارت سے اسے دھمکا گیا تھا مگر وہ محظوظ ہونے کی بجائے بستر پر ڈھے گئی۔

♣ —— ٭ —— ♣

حویلی بقعہ نور بنی ہوئی تھی۔
آج حشمت علی شاہ کے سب سے چھوٹے بیٹے علی شاہ کی مہندی کی تقریب تھی۔
"آہا" وہ اسے دیکھ کر بیساختہ ٹھٹکا اور سیٹی بجائی کیونکہ ملیحہ بہت سج دھج سے تیار نہیں ہوئی تھی پھر بھی اس کا سوگوار سا انداز اس کو بہت دلفریب بناتے ہوئے تھا۔ اس اچانک پذیرائی پر وہ ٹھٹک رہ گئی۔
"لگتا ہے کہ میں نے آپ کو کہیں دیکھا ہے؟"
وہ بہت بن کر کہہ رہا تھا۔ ملیحہ کنفیوز ہونے لگی۔
"میں ملیحہ ہوں۔"
اس کے جھجکنے والی کے معصومیت بھرے انداز پر چند ثانیے وہ اسے دیکھے گیا پھر ہنس دیا۔
"تم واقعی ملیحہ ہو۔ اور آج بہت اچھی لگ رہی ہو۔"
اس کی بے تکلفانہ گفتگو ملیحہ کی پیشانی نم کر گئی۔
وہ تیزی سے اندر زینب کے پاس چلی گئی۔ ارمغان خان کی نظروں نے دور تک اس کا تعاقب کیا تھا۔ تمام رسم کے دوران بھی وہ کوئی نہ کوئی ریمارک پاس کر کے اسے پریشان کرتا رہا۔ اس [illegible] متزلزل اس کی [illegible]
وہ پریشان سی بی بی جان کے ساتھ جڑ کے بیٹھ گئی۔
رسم کے بعد سارا وقت وہ اس سے چھپتی رہی [illegible] جب وہ زینب سے مل کر آنے لگی تب اس نے ملیحہ کا راستہ روک لیا۔ وہ خائف سی اسے دیکھنے لگی۔

اور جواب نظر لگ رہا تھا۔
"دیکھو یوں مت کرو۔ تم مجھے خود کو دیکھنے سے سراہنے سے نہیں روک سکتیں۔" وہ بکمال استحقاق سے اور اٹل انداز میں کہہ رہا تھا۔ وہ خوفزدہ اس کی سائیڈ پر سے ہو کر تقریباً بھاگتی ہوئی باہر آئی۔ ارمغان شاہ کے تیور اسے حقیقتاً ڈرا رہے تھے۔ رات کتنی ہی دیر وہ بستر پر کروٹیں بدلتی رہی۔ شدید تھکن کے باوجود نیند نہیں آ رہی تھی۔ ذہن مزید الجھنوں میں گرفتار ہوتا جا رہا تھا۔
کیا میرا پہلے بھی اس سے اس انداز کا کوئی تعلق رہ چکا ہے؟
اس کی دھڑکنیں بے ترتیب ہو گئیں۔ اس نے کنپٹی میں سہلاتے ہوئے ایکبار پھر کروٹ بدل لی۔
ایسا کچھ ہوتا تو مجھے یاد ہوتا۔ لیکن۔ یاد تو مجھے کسی کی بھی محبت نہیں۔ سب چہرے اجنبی ہیں۔
نہیں مجھے کیا کرنا چاہئے؟
تھک کر اس نے سلگتی آنکھوں کو موند لیا تھا۔
اگلے روز بارات تھی۔ اس نے اتنی احتیاط کی بی بی جان کے ساتھ چپکی رہی۔ کسی بھی موقع پر ان سے علیحدہ نہیں ہوئی تھی کہ زینب کے پاس بھی گئی۔
ایک دو بار ارمغان سے نظریں ملیں تو اس کی معنی خیز سی مسکراہٹ اسے سٹپٹا کر چہرہ موڑنے پر مجبور کر گئی۔
دلہا بن کر علی شاہ اس قدر وجیہہ لگ رہا تھا سب بے اختیار اس کی تعریفیں کر رہے تھے۔ نکاح کے بعد زینب کو لا کر اس کے پہلو میں بٹھایا گیا تھا۔
"ماشاءاللہ اللہ حیاتی کرے میرے بچوں کی۔"
بی بی جان نے بیساختہ اس کی بلائیں لیں تو ان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔ رات کو وہ کمرے میں داخل ہوا تو زینب کو روایتی دلہنوں کی طرح جھکائے محو انتظار پایا۔ وہ [illegible] ایک گہری سانس لے کر شیروانی اتارتے ہوئے آگے [illegible] کے کنارے [illegible]

گئیں۔"

اس کی پرسکون سی آواز زینب کی دھڑکنوں میں انتشار پیدا کر گئی۔ اس کی طرف سے کوئی جواب نہ پا کر وہ قدرے پیچھے ہو کر سر کے نیچے ہاتھ باندھے یوں ترچھا لیٹ گیا کہ جھکی زینب کے جھکے ہوئے چہرے کے بالکل سامنے تھا۔

"میں جانتا ہوں کہ اب تم نے مجھے اپنے دل میں کونسا "مقام" دے رکھا ہے۔" وہ اسی پرسکون انداز میں اب اس کے چہرے پر نظریں جمائے کہہ رہا تھا۔

"میں ہمیشہ سے اس پر یقین رکھتا ہوں کہ میاں بیوی کے رشتے کی بنیاد اعتماد اور باہمی اعتبار ہوتا ہے۔ مگر میں یہ بھی جانتا ہوں کہ چاہے میں لاکھ صفائیاں بھی پیش کرلوں تم مجھے بے گناہ ماننے پر بھی راضی نہیں ہو گی۔ تمہیں بتانے کو بہت کچھ تھا میرے پاس مگر تم نے موقع ہی نہیں آنے دیا۔ خود کو اہل ہی ثابت نہیں کیا کہ میں اپنا آپ تم سے شیئر کر سکتا۔ اور اب جبکہ تمہاری نظروں میں میری کوئی حیثیت ہی نہیں تو میں تمہیں کسی ایسے امتحان میں بھی نہیں ڈالوں گا کہ جس سے تمہیں خود پر جبر کا احساس ہو۔ مجھے صرف "وجود" نہیں سراپا محبت چاہیے جو میں اب کم سے کم تم سے قبول نہیں کر سکتا۔" اس پر نظریں جمائے جب علی شاہ کا خود پر سے قابو اٹھنے لگا تو وہ اٹھ گیا۔

"بس اب انتظار کرنا اس روز روشن کا جب میں تمہارے دل کے تمام مشکل راستوں سے گزر کر تمہارے دل پر لگے بے اعتباری کے زنگ آلود تالے کو اپنی بے گناہی اور سچائی کی چابی سے کھولوں گا۔ مگر اتنا یاد رکھنا زینب شاہ! وہ حساب کا دن ہو گا میں تم سے ایک ایک لمحے کا حساب لوں گا اور تمہیں بھی دینا ہو گا۔"

وہ بہت پرسکون مگر اٹل انداز میں کہہ رہا تھا لیکن دل و دماغ [illegible] طلب سے [illegible] خود [illegible] لگا اسے بہت وقت طلب [illegible] محسوس ہو رہا تھا۔ وہ پلٹا اور تیزی سے [illegible] باہر نکل گیا۔

زینب نے جھکے سر کو آہستگی سے اوپر اٹھایا تو آنکھوں [illegible] دیر سے رکے آنسو بے اختیار بہہ نکلے۔

"تمہیں بے مراد رکھ کے میں کونسا سکون میں ہوں علی شاہ! تم کیا سمجھتے ہو میں نے تم سے محبت نہیں کی تھی؟ کیا میں نے تمہارے ساتھ کے سپنے نہیں دیکھے تھے؟ کیا میں نے خوبصورت خیالوں کو پلکوں سے نہیں بنا تھا؟

تم اب!

مگر علینہ کے بے آواز نوحے اور خاموش چیخیں اب تمہارے اور میرے درمیان حائل ہو گئی ہیں۔ مجھے اس کی آہ سے، اس کی بے الفاظ بددعاؤں سے خوف آتا ہے علی شاہ! تم جو میرا مقدر ہو کیا جانو کہ تو میں آدھی رات تک جاگ کر میں تمہاری سلامتی کی کتنی دعائیں مانگتی ہوں۔ تم کیا جانو علی شاہ! تمہاری محبت، میری محبت کوئی کھیل نہیں تھی۔ اس کے رنگ اتنے کچے نہیں ہیں کہ میں اسے آنسوؤں سے مٹا دوں مگر شاید تمہیں بہت کڑا سفر کرنا ہو گا۔ اپنی اپنی جگہ پر۔"

اس نے گھٹنوں پر ماتھا ٹیک کر آنکھیں موند لیں۔

♣ — * — ♣

"بابا سائیں! اوی زرینہ کا قصور اتنا بڑا نہیں ہے کہ انہیں یوں برادری بدر کر دیا جائے۔" گلاٹ براؤن کلفدار سوٹ میں بالوں کو نفاست سے سنوارے چہرے پر بے پناہ سنجیدگی لیے وہ ایک نئے مقدمے کے ساتھ بابا سائیں کے سامنے موجود تھا۔

"علی شاہ" بابا سائیں سے پہلے اوا کبیر غصے سے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ "حد ہو گئی ہے یہ بات کی۔"

"تو اس میں ایسی کوئی غلط بات نہیں ہے۔" وہ اٹل انداز میں بولا تو ان کا چہرہ سرخ پڑنے لگا۔

"اتنی بڑی بات ہو گئی اور تمہیں ان کی کوئی غلطی دکھائی نہیں دیتی۔ بلکہ مجھے تو لگتا ہے کہ اس کی شہہ پر ہی یہ گندا کھیل کھیلا گیا ہے۔ اگر اس کا شوہر بیچ میں نہ آجاتا تو شاید اس کا علم بھی ہونے کا ہو تک۔"

وہ زہر آلود انداز میں کہہ رہے تھے۔ علی شاہ نے ایک نظر ان کو دیکھا۔

"بابا سائیں۔ اگر لالی قصوروار ہیں تو اتنا ہی قصور ہمارا بھی ہے۔ ہم نے خود اسے اس راہ پر چلنے کو مجبور کیا تھا۔"

اس کی غیر متوقع بات پر حشمت شاہ غرا اٹھے۔

"اپنی زبان کو لگام دو علی شاہ۔"

"بابا سائیں! ذرا ٹھنڈے دل و دماغ سے سوچئے ایک بارہ سال کے بچے سے اسے بیاہنے کا فیصلہ قطعی غیر اخلاقی اور شرمناک تھا۔ اس سے بچنے کے لئے اس نے یہ قدم اٹھایا تھا۔"

"اس کی تو غیرت ہی مر گئی ہے بابا سائیں۔" لالا کبیر نے حقارت سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تو وہ دانت پر دانت جما کر انہیں دیکھنے لگا۔

"اگر سچ کو حق ماننا بے غیرتی ہے تو ہاں میں بے غیرت ہوں۔" اس نے بے حد سرد اور اٹل انداز میں کہا تو حشمت شاہ کو بھی اس پر غصہ آنے لگا۔

"تمہارا تو دماغ خراب ہو گیا ہے علی شاہ۔ برسوں پرانی روایتیں ہیں ہماری۔ ہم چاہتے تو اس کا حق بھی بخشوا سکتے تھے پر ہم نے اس کا گھر بسانے کے بارے میں سوچا لیکن وہ ہمارے اس احسان اور مہربانی کے قابل نہیں نکلی اور ہمارے نام کو بٹہ لگا دیا۔ فقط تمہاری وجہ سے وہ سانس لے رہی ہے ورنہ۔۔۔"

طیش سے ان کی آنکھیں اور چہرہ سرخ ہو رہا تھا مگر وہ بظاہر پرسکون بیٹھا تھا۔

"بابا سائیں! پرانی عمارتیں ایک حد تک ہی استعمال میں لائی جاتی ہیں، پھر ایک وہ وقت آتا ہے جب انہیں گرا کر ان کی جگہ شاندار اور جدید دور کے مطابق عمارتیں بنائی جاتی ہیں۔ یہ روایتیں اور رسم و رواج بھی [illegible] ختم ہوتے ہیں بابا سائیں [illegible]"

"علی شاہ [illegible] ہوئے [illegible] برداشت ہم [illegible]"

[illegible]

"بابا سائیں [illegible] نہیں کہتا کہ [illegible] گئی ہے۔ میں صرف یہ کہنا چاہ رہا ہوں کہ اسے یہ قدم اٹھانے پر مجبور ہم نے کیا ہے۔ ایک پڑھی لکھی [illegible] ایسا فیصلہ کیسے منظور کر سکتی ہے۔"

"اس پڑھائی کا ہی زیادہ قصور ہے۔ [illegible] اسی نے بگاڑا ہے۔ زرینہ کو بھی ہم نے [illegible] پڑھائی تھیں مگر اس نے زبان تک نہیں کھولی ہمارے آگے۔" وہ تلخی سے بولے۔ "ہم نے [illegible] ناخلف لڑکی پر اندھا اعتماد کرتے ہوئے اسے [illegible] میں داخل کرایا اور اس نے یہ صلہ دیا اس اعتماد کا۔"

"لیکن اس میں لالی زرینہ کا کوئی قصور نہیں [illegible] بابا سائیں۔ انہیں اس سے متعلق کچھ پتہ [illegible] ہے۔"

وہ زچ آ کر بولا تو وہ خشمگیں انداز میں اسے [illegible] لگے۔

"علی شاہ! بس اس سے آگے کوئی بات [illegible] کرنا۔"

"بابا سائیں! میں بھی آپ کا بیٹا ہوں، مجھے اس حویلی اس خاندان کی اقدار اور عزت اتنی ہی [illegible] ہے جتنی کہ لالا عمر، لالا کبیر یا آپ کو ہے مگر میں [illegible] فیصلوں کو برداشت نہیں کر سکتا۔"

وہ اٹل لہجے میں کہتا حشمت شاہ اور کبیر شاہ [illegible] حیران کر گیا۔

"کیا ہم اسے بغاوت سمجھیں علی؟" لالا کبیر [illegible] اسے گھورتے ہوئے پوچھا تو ایک دو لمحوں تک وہ [illegible] آنکھوں میں دیکھتا رہا پھر اپنے مخصوص پرسکون [illegible] میں بولا۔

"سچ تو میں دار پر چڑھ کے بھی بول سکتا ہوں اور یہ بات آپ سب جانتے ہیں۔ لالی زرینہ بے [illegible] ہے اسے خاندان سے نکال دینے کا فیصلہ ٹھیک [illegible] ہے۔"

"تو کیا اب تم ہمیں بتایا کرو گے کہ کون سا [illegible] صحیح ہے اور کون سا غلط؟" وہ تنفر سے بولے [illegible] اس نے گہری سانس لی۔

"میں نے ایسا کچھ نہیں کہا۔ غلطی انسان [illegible] ہوتی ہے اور اپنی غلطی مان لینے سے کوئی چھوٹا [illegible]"

بلکہ بڑھا ہو جاتا ہے۔"

"علی شاہ! اب تم کیا چاہتے ہو؟"

حشمت شاہ زچ ہو کر پوچھ رہے تھے۔ اس نے آگے بڑھ کر ان کا ہاتھ احترام کے ساتھ اپنے ہاتھوں میں تھام لیا۔

"بابا سائیں! آپ جانتے ہیں کہ میں لڑائی جھگڑوں اور قتل و غارت میں کبھی نہیں پڑا اور اس بات پر میں نے بڑوں کے بہت سے طعنے بھی سنے ہیں مگر اب جب موقع پڑا تو میں اس کام میں بھی پیچھے نہیں رہا۔ کیونکہ یہ ہماری عزت و غیرت کا مسئلہ تھا۔ میں ہتھیار ہاتھ میں لیتے ہوئے ذرا بھی نہیں ہچکچایا مگر جو بات غلط ہے اسے میں خاموشی سے بھی تسلیم نہیں کر سکتا۔"

اسے بغور دیکھتے حشمت شاہ نے گہری سانس لی اور اپنے مخصوص دبنگ انداز میں بولے۔

"ٹھیک ہے علی شاہ! فی الوقت تو ہم تمہاری بات مان لیتے ہیں مگر کبھی وہ قصوروار نکلی تو اکیلی وہ نہیں ساتھ میں تم بھی سزا کے حقدار ٹھہرائے جاؤ گے۔"

بے ساختہ مسکراہٹ نے علی شاہ کے چہرے کو جگمگا دیا۔ اس نے بے اختیار جھک کر ان کے ہاتھ پر بوسہ دیا۔

"بابا سائیں! یو آر گریٹ۔ آپ کے اس منصفانہ فیصلے نے میری نظروں میں آپ کی عزت کو اور بڑھا دیا ہے۔"

اس کے بے انداز پر حشمت شاہ کے اندر تفاخر کی ایک لہر اٹھی تھی جبکہ کبیر شاہ کینہ توز نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"بابا سائیں! اگر ہم نے یونہی جذباتی ہو کر فیصلے بدلنے شروع کر دیے تو ہمارا حکمرانی کرنے کا خواب چکنا [illegible]

اس کے جانے کے بعد کبیر شاہ نے تلخی سے کہا تو [illegible]

"وہ منطق کے ساتھ بات کرتا ہے اگر زرینہ کا کوئی قصور تھا تو ثبوت بھی لا کر دیتے۔ تب ہم اسے برادری سے نکالنے کی بجائے گولیوں سے اڑا دیتے۔"

اس میں اتنی ہی ہوشیاری ہوتی تو وہ اپنی دفعہ ہی اتنی جرأت کر لیتی۔"

انہوں نے اس انداز میں کہہ کر بات ختم کر دی تو کبیر شاہ سلگ کر رہ گیا۔

♣ — * — ♣

وہ کمرے میں آیا تو فطری خوشی اس کے چہرے سے جھلک رہی تھی۔ زینب تکیے پر کہنی ٹکائے بے تکلفی و بے پروائی سے علینہ سے باتیں کرنے اور ہنسنے میں مگن تھی۔ اسے ساتھ ساتھ پیار کر رہی تھی۔ دوپٹے سے بے نیاز وجود دراز بالوں کو ڈھیلے سے جوڑے میں لپیٹے تھما تا چھوڑے وہ لمحہ بھر کو علی شاہ کے قدموں کو تھما گئی۔

"بھائی! آپ کدھر گم ہیں صبح سے؟"

علینہ کی آواز اسے حواس میں لانے کا سبب بنی تھی۔ وہ پل بھر میں خود کو سنبھالتا اس کی طرف بڑھا۔ زینب نے تکیے کے نیچے سے دوپٹہ اپنی طرف کھینچا تھا۔

"میں مقدمے میں بزی تھا۔" وہ مسکراتا ہوا اس کے سامنے بیٹھ گیا۔

"کون سا مقدمہ؟" وہ حیرت سے اسے دیکھنے لگی۔

"کزن زرینہ کا مقدمہ۔" اس نے دھماکا کیا۔

"تو فیصلہ کیا رہا؟" بے اختیار زینب کے منہ سے نکلا تھا۔ اس نے اک غلط نگاہ اس کے دمکتے چہرے پر ڈالی۔ اپنی بے اختیاری کا احساس ہوتے ہی وہ لب دانتوں تلے دبا گئی تھی۔

"میں ہمیشہ پراسیکیوٹر کی حیثیت سے مقدمہ لڑتا ہوں وہ بھی تب جبکہ مجھے خود بھی ملزم کی بے گناہی کا یقین ہو۔ فیصلہ میرے حق میں ہی ہوا ہے۔"

اس کا انداز قدرے جتانے والا تھا۔ آخری جملہ اس نے علینہ سے مخاطب ہو کر کہا تو وہ خوش ہو گئی۔

"تو کیا اب لوی آئیں گی حویلی میں؟"

علی شاہ نے شفقت سے اس کا سر تھپکا تھا۔

"بہنوں ہی سے تو گھروں کی رونق ہوتی ہے۔ میں

بھلا حویلی کی رونقوں کو کھو سکتی ہوں؟"

"اگر لوا عمر اور لوا کیر بھی میٹرک سے زیادہ پڑھ لیتے تو آپ ہی جیسے ہوتے۔" علینہ بے ساختہ بولی تو اس نے گہری سانس لی۔

"علم و شعور تعلیم سے حاصل نہیں ہوتا سسٹر! اگر ایسی بات ہوتی تو عقل صرف تعلیم یافتہ لوگوں کی میراث ہوتی۔"

"بالکل' زیادہ تعلیم بھی وہی بات سکھاتی ہے جو کم تعلیم سے سمجھ میں آتی ہے کہ اللہ ایک ہے' مسلمان آپس میں بھائی ہیں' کسی کو کسی پر فضیلت حاصل نہیں' خدا کے نزدیک سب برابر ہیں۔"

زینب خود کو بولنے سے روک نہیں پائی تھی۔

"اور یہ سب جاننے کے باوجود کسی ایجوکیٹڈ پر آگہی کے در وا نہیں ہوتے۔ جاگیردار بادشاہ ہے اور مزارعے عوام' اللہ تو بدستور ایک ہی ہے' بس انسان ہی گروہوں میں بٹ گئے ہیں۔ نسلی تفاوت اور امیری غریبی نے فرق ڈال دیا ہے۔ ذات برادری اور خاندان نے غلط روایتوں اور شرمناک رواجوں کو جنم دے دیا ہے۔ کون کہتا ہے کہ زمانہ بدل گیا ہے؟ آج بھی بیٹیوں کو روایت کے نام پر زندہ دفنایا جارہا ہے' ستی کیا جارہا ہے' ان کی بھینٹ چڑھائی جارہی ہے۔ پیروں کی جوتی بنا کر رکھا گیا ہے۔"

اس کا چہرہ شدت جذبات اور اندرونی جوش سے سرخ ہو رہا تھا۔ علینہ نے بے اختیار اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔ تو وہ چونک کر ہوش میں آیا۔ ایک گہری سانس لے کر اس نے خود کو نارمل کرنے کی کوشش کی تھی۔ پھر اس کی طرف جھک کر اٹل لہجے میں بولا۔

"میں یہ سسٹم بدل ڈالوں گا علینہ! کسی میں اتنی [illegible] آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی بھی ہمت کرسکے۔ تم دیکھنا' میں ان شرمناک رسوماتوں کو جب تک انہیں دھونے کے لیے [illegible] ہی کیوں نہ بہانا پڑے۔"

زینب زرد پڑتی رنگت کے ساتھ اس کو دیکھ رہی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ علی شاہ کے کس روپ کو سچ سمجھے؟

ایک طرف تو اس نے اپنے ہاتھوں سے اپنی بہن کی دنیا اجاڑ ڈالی تھی' دوسری طرف وہ اس پر جان وارنے کے دعوے کر رہا تھا۔ ایک طرف تو وہ ان شرمناک روایتوں کی جڑوں میں کسی بے گناہ کا خون دے چکا تھا' دوسری طرف انہی کو مٹانے کے لیے اپنا خون بہانے کی بات کر رہا تھا۔

علینہ کو کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کس پس منظر میں یہ سب باتیں کر رہا ہے مگر پھر بھی وہ علی شاہ کی حد درجہ جذباتیت پر روہانسی ہونے لگی۔

"بھائی! آپ کیوں ان سب معاملات میں پڑ رہے ہیں؟"

"مجبوری ہے علینہ' میں بہت عرصہ خاموش رہا ہوں مگر اب مجھے بھی اس کھیل میں ملوث کیا جانے لگا ہے۔ اب اس سسٹم پر ایک ضرب لگانی ہی چاہیے' کبھی نہ کبھی تو اس کی بنیادیں ہلیں گی۔"

وہ گہرے انداز میں کہہ رہا تھا اور زینب کا دل اس قدر تیزی سے دھڑک رہا تھا کہ اسے گھبراہٹ ہونے لگی۔

"آپ سب سے الگ ہیں علی بھائی' بہت اچھے ہیں۔" علینہ کے دل میں اس کے لیے بہت پیار ابھرا تھا۔ شدید ٹینشن میں بھی ہلکی سی مسکراہٹ صرف علینہ کے لیے اس کے ہونٹوں پر جھلملائی تھی۔

"اچھا بننے کے لیے سب سے الگ ہونا ضروری ہوتا ہے۔"

علینہ چلی گئی تو کمرے میں یوں خاموشی چھائی جیسے وہاں کوئی ذی روح موجود ہی نہ ہو۔ وہ بستر کے وسط میں آنکھیں موندے دراز تھا۔ اضطراب سے ہلتا پاؤں اس کی بے چینی اور تناؤ کی واضح علامت تھی۔

وہ آرام دہ کرسی میں دھنسی بظاہر روز پر لئے نیوز پیپر کو بڑی دلچسپی سے پڑھ رہی تھی۔ در حقیقت اس کی پوری توجہ علی شاہ کی طرف تھی۔ جب وہ کمرے میں آیا تھا تو طمانیت اس کے چہرے سے جھلک رہی تھی

اور اب وہ جانے کن الجھنوں میں گھرا ہوا تھا۔

"کیسے سکون پاؤ گے علی شاہ؟ اتنی معصوم لڑکی کی خاموش بددعائیں لی ہیں تم نے۔" بہت کوشش کے باوجود بھی جب وہ خود پر ضبط نہیں کرپائی تو اٹھ کر اس کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔

"کیا میں وجہ پوچھ سکتی ہوں اس قدر ٹینشن کی؟"

اس نے آنکھیں نہیں کھولیں مگر اس کے پاؤں نے اضطراری انداز میں ہلنا ترک کردیا۔ چند ثانیوں کے بعد وہ بے حد سکون سے بولا۔

"اب کوئی فائدہ نہیں زینب شاہ' اس انداز کی جب مجھے ضرورت تھی تب تم نے میرے وجود میں بے اعتباری و بداعتمادی کا زہر اتار دیا تھا۔"

اس قدر بے اعتنائی نے زینب کو منجمد کردیا تھا۔

♣ — * — ♣

"نوری بی! چائے ملے گی؟"

وہ شوخ انداز میں پوچھ رہا تھا۔ ملیحہ کے ہاتھ سے پلیٹ چھوٹتے چھوٹتے بچی۔

"چھوٹے سائیں! کتنی بار کہا ہے مجھے بس لسی بنانی آتی ہے۔" نوری بی تنگ آگئی تھی روز روز کی فرمائشوں سے۔

"تو پھر اس گھر میں ایسا اللہ کا کون سا بندہ ہے جسے چائے بنانی آتی ہے؟" وہ بڑی معصومیت سے پوچھ رہا تھا۔ نوری بی نے فوراً انکشاف کیا۔

"زینب بی بی بہت اچھی چائے بناتی ہیں۔"

"اونہوں وہ بالکل بھی اچھی چائے بناتی ہے اسی لیے تو اس کی شادی کرکے اسے گھر سے نکالا ہے۔ تم کوئی اور ہم لوگوں کے دل میں ٹھنڈ ڈال دے۔"

وہ لاف زنی کر رہا تھا۔ ملیحہ نے رخ موڑ کر [illegible] ملیحہ بی بی بناتی ہیں۔"

نوری بی نے اشارے سے بتایا تھا اور اس سے پہلے کہ وہ اسے روکنے کے لیے کہتی وہ چائے کے لیے پانی چولہے پر رکھ چکی تھی۔

نوری بی کھانے کی ٹرے لیے بی بی جان کی طرف چلی گئی۔ تو وہ سکون کی سانس لیتا آگے بڑھا اور اس کی سائیڈ پر تھوڑے فاصلے پر کھڑا ہو گیا۔

"مجھے بہت اچھا لگا۔"

مہکتے خوشگوار لہجے پر ملیحہ نے بمشکل پلکیں اٹھا کر تحیر سے اسے دیکھا تو اسے اپنی آنکھوں میں دیکھتے پا کر اس نے سٹپٹا کر رخ بدلا تھا۔

"یہ جان کر کہ تم ہی ہو کہ میرے دل کی بات سمجھ سکتی ہو۔"

"ایسا... کچھ نہیں ہے۔"

اسے اپنے دل کی دھڑکنیں کانوں میں سنائی پڑ رہی تھیں۔

وہ اس کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

"ایک بار یہی الفاظ میری طرف دیکھ کر کہہ دو۔ میں جہاں تک آن پہنچا ہوں وہیں سے لوٹ جاؤں گا وعدہ رہا۔"

وہ بے حد اٹل انداز میں کہہ رہا تھا۔

لہجے میں مان تھا اعتبار تھا کہ وہ ایسا نہیں کرپائے گی۔

"میں نے اندھی چال چلی ہے ملیحہ۔ اب تمہارے ہاتھ میں ہے ٹھکرا کے بازی پلٹ دو یا میرے حق میں کردو۔"

وہ بہت پُرسکون لہجے میں کہہ رہا تھا اس نے اضطراب سے ہاتھوں کو مسلا۔

یا خدا۔

"خاموشی تو آدھی ہاں ہوتی ہے مگر میں خوش فہمی میں مارا جانا نہیں چاہتا۔ بہت بے اعتبار قسم کا بندہ ہوں الفاظ سن کر ہی یقین کرتا ہوں۔"

وہ بظاہر بہت سنجیدہ تھا لیکن اگر ملیحہ حواس میں ہوتی تو اس کے ہونٹوں کی شرارتی مسکراہٹ اور آنکھوں میں مچلتی شوخیوں کو جان لیتی۔

"میں کیا کہوں...؟" وہ بے بسی سے مدھم آواز میں بولی تو ارمغان بمشکل اپنا قہقہہ ضبط کرپایا پھر بڑے درد سے پوچھا۔

"کیا انکار کرنا چاہتی ہو؟"

"مگر میں نے کب کہا؟" وہ ہراساں ہو کر بولی وہ افسردہ سا چہرہ بنائے کھڑا تھا۔

"تو پھر؟"

کتنی ہی دیر وہ خاموش کھڑی آگ کے شعلوں پر نظر جمائے رہی پھر اسے دیکھنے لگی۔ تب ارمغان کو پتہ چلا کہ اس کی آنکھوں میں پانی ٹھہرا ہوا تھا۔

"میرے ساتھ بہت پرابلم ہے ارمغان میں کس حالت سے گزر رہی ہوں آپ نہیں جانتے۔" وہ بہت ضبط سے کہہ رہی تھی۔ "میں تو خود اپنے لئے بھی اجنبی ہوں۔ ڈاکٹرز کہتے ہیں کہ کبھی کسی بھی لمحے میں اپنے ماضی کو پالوں گی۔ کب؟ یہ معلوم نہیں۔ مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ پھر یہ سب لمحات میری یادداشت سے مٹ جائیں گے۔ ایسی صورت میں میں۔۔۔"

اس کے آنسوؤں نے اسے مہلت ہی نہیں دی کہ وہ اپنی بات مکمل کر سکتی۔ وہ ڈاکٹر تھا ان سب باریکیوں سے آگاہ تھا۔ تمام ڈاکٹرز سے اس نے بذات خود اس کا کیس ڈسکس کیا تھا۔ ان سب کی رپورٹ یہی تھی کہ کوئی بھی ذہن میں انتشار پیدا کرنے والا لمحہ کوئی بھی دماغ کو جھنجوڑ دینے والا واقعہ اس کی یادداشت لوٹنے کا سبب بن سکتا ہے اور جو خاص بات ارمغان نے پوچھی تھی اس کا جواب بالکل بھی حوصلہ افزا نہیں تھا۔

"یادداشت لوٹنے کے بعد وہ تمام واقعات اور باتیں ان کے ذہن سے صاف ہو جائیں گی جو یادداشت کھوئے رہنے کے عرصے میں وقوع پذیر ہوئی ہوں۔"

"یقین کرو میں تمہیں کسی بھی لمحے میں تنہا نہیں ہونے دوں گا ملنے۔" اس نے بے حد جذب سے کہا تو اس کے اس انداز تخاطب پر ملنے نے تحیر سے اسے دیکھا۔ "میں ساتھ ہوں گا ہم مل کر [illegible] کریں گے۔ تم اپنے ماضی [illegible] تمہارے [illegible] سے واقف ہوں اور یہ بھی جانتا ہوں کہ تمہارے ساتھ [illegible] میں لوٹنے کے بعد ایسی کوئی مجبوری نہیں ہوگی جس کی بنا پر ہمارے رشتے میں دراڑ پڑ سکے۔" وہ ہم لہجے میں سنجیدگی سموئے کہتا گفتگو

ہی شرارتی انداز میں بولا۔

"بالفرض تم نے مجھے پہچاننے سے انکار بھی کیا تو میں تمہیں شادی کی موی اور تصاویر دکھا دوں گا۔"

اتنے سنجیدگی سے ماحول اور سوگوار سی فضا میں اس کی شرارت نے ہلچل سی مچا دی۔ وہ بھیگی پلکیں لئے بے اختیار ہنس دی مگر جب اس کا سامنا کرنے کی سکت نہیں رہی تو پلٹ کر باہر نکل گئی۔

بی بی جان کے کمرے سے نکلتے علی شاہ نے سرسری انداز میں کچن سے نکل کر اپنے کمرے میں بھاگنے کے سے انداز میں جاتی ملنے پر نظر ڈالی اور کچن کی طرف بڑھا مگر وہاں ارمغان شاہ کو چائے بنانے میں مصروف دیکھ کر وہ لب بھینچے دروازے ہی سے پلٹ گیا۔ اس کی کنپٹیاں سلگ اٹھی تھیں۔

وہ کمرے میں داخل ہوا' دھاڑ سے دروازہ بند کئے جانے پر آئینے کے سامنے کھڑی بال سنوارتی زینب نے خائف ہو کر اسے دیکھا وہ سیدھا اس کی طرف آیا تھا اس کے تیور زینب کو سہمانے کو کافی تھے۔

"زینب! تم ارمغان کو سمجھا دو کہ وہ ملنے سے بات کم ہی کیا کرے۔"

وہ سلگتے انداز میں کہہ رہا تھا۔ وہ تحیر سے اسے دیکھنے لگی۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ" اس کی رنگت سرخ پڑنے لگی۔ "تم اسے منع کرو کہ وہ ملنے سے فری نہ ہو۔"

"ناسنس وہ کزنز ہیں۔"

"لیکن ملنے شادی شدہ تھی۔" وہ بجھے بجھے لہجے میں بولا تو وہ طنزیہ انداز میں ہنس دی۔

"ہاں۔ شادی شدہ تھی بھی لیکن آپ لوگوں نے اسے بیوہ بنا دیا۔ کیا اب اس کا خوشیوں پر کوئی حق نہیں رہا؟"

"زینب! میرے ساتھ بحث مت کرو۔ تم بس ارمغان کو روک دو۔ وہ ملنے کو ان راستوں پر مت لے کر جائے۔ جہاں اس کے لئے فقط تباہی ہی ہے۔"

وہ بہت طیش میں تھا اس کا انداز گفتگو زینب کو

بھی چھوڑ دیا گیا۔

"میں ادا کو نہیں روکوں گی' بلکہ میں نے اماں سے کہہ دیا ہے کہ وہ بی بی جان سے علینہ اور ادا کی شادی کی بات کریں۔"

وہ بے حد ضدی انداز میں بولی تو اس قدر غیر متوقع صورت حال پر وہ ششدر رہ گیا۔

"تم ایسا نہیں کرو گی۔" وہ دانت پیس کر غرایا تھا۔

"ہمت کریں ایسا علی شاہ' آپ تو روز بروز خود کو میری نظروں اور میرے دل سے۔"

وہ بہت دکھ سے بولی یکلخت ہی اس کی سنہری آنکھیں جھلملا اٹھی تھیں۔

"کمرہ وہ کیا رہ گیا ہے پیچھے زینب۔ حد کر دو بے اختیاری کی' مٹا ڈالو میری محبت' کھرچ ڈالو دل پہ لکھا میرا نام۔" وہ بہت دلگرفتگی اور بد دلی سے کہتا پلٹ گیا۔

اس کا لہجہ زینب کو توڑ گیا۔

اس کی خود ساختہ بے اتفاقی اور بے اعتنائی ریت کے گھروندے کی طرح ڈھے گئی۔ اس نے سسک کر دو قدم بھاگنے کے سے انداز میں طے کرتے ہوئے اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے ماتھا اس کی پشت سے ٹکا دیا تھا۔

"علی شاہ کچھ تو آسان کریں' خود کے لیے میرے دل کے راستوں کو' پلٹنے دیں علینہ کو اس کی خوشیاں' گلزار ہو جانے دیں اس کی زندگی کو' پھر ہم بھی بہت اچھی محبتوں بھری زندگی گزاریں گے۔"

وہ یکلخت پلٹا تو سارے فاصلے سمٹ گئے۔ مگر نہ تو علی شاہ کے دل میں ہلچل مچی اور نہ ہی زینب شرما کر سمٹی تھی۔

"ہمت دو یہ لالچ مجھے اس قدر قیمتی لمحات کھوئے [illegible] لمحوں میں تلاطم پیدا [illegible]

وہ بہت پیارا لگے دل کو لبھائے سناٹوں میں

[illegible]

تو گویا یہ کندن بدن'

یہ سوتیلی سنہری مچھلیوں جیسی آنکھیں'

یہ جھلکتا روپ سروپ'

سب بے کار ہے۔

"علی شاہ خدا کے لیے مت فاصلے پیدا کریں اپنے اور میرے درمیان۔"

علی شاہ کے لیے بہت کڑا لمحہ تھا وہ اس کے پیچھے کھڑی بے دردی سے آنسو بہا رہی تھی۔ وہ جس سے اس نے محبت نہیں بلکہ عشق کیا تھا۔

اس نے ضبط کی کڑی منزلوں کو طے کرتے ہوئے اسے شانوں سے تھام کر اپنے سامنے کیا تھا۔

"اتنی جلدی ہتھیار ڈال دیے؟ میں تو ڈٹا ہوا ہوں اپنے محاذ پر یوں تو فتح کا جشن نہیں مناؤں گا جب تک کسی قابل ذکر "ہمت" میں نام نہ لکھوا لوں۔ تم بھی انتظار کرو اس روز روشن تک۔"

وہ اس کی آنکھوں میں جھانکتا جتانے والے انداز میں کہہ رہا تھا اور اسے دیکھ کر مبہوت رہ جانے والے علی شاہ کا اتنی قربت میں بے اعتنائی سے پر انداز اس کے آنسوؤں کو رواں کر گیا۔

"ابھی تم ارمغان کو کنٹرول کرو ورنہ اس کا طریقہ بھی مجھے آتا ہے۔"

اسے پیچھے ہٹاتا سر جھٹکتا وہ بستر پر دراز ہو گیا اور بازو آنکھوں پر رکھ لیا۔ وہ ہاتھوں میں منہ چھپائے وہیں بیٹھتی چلی گئی۔ دل کا درد تھا کہ بڑھتا چلا جا رہا تھا اور رونے کے بغیر کوئی چارہ نہیں تھا۔

♣ — ✱ — ♣

زینب باتھ روم میں تھی۔ علینہ اس کے بستر پر نیم دراز یونہی سوچوں میں گم انگلی سے بیڈ شیٹ پر آڑی ترچھی لائنیں کھینچ رہی تھی۔

دروازہ کھٹکھٹانے پر اس نے سوچا شاید علی شاہ ہو مگر غیر متوقع طور پر ارمغان کے مسکراتے چہرے نے اسے گڑبڑا کر سنبھلنے پر مجبور کر دیا۔

"وہ زینب باتھ روم میں ہے۔"

وہ مسکراتے ہوئے کرسی پر براجمان ہو گیا۔

"اچھا تو باقی اہل خانہ سے متعلق بھی فرما دیں کہ وہ کہاں کہاں تشریف فرما ہیں۔"

وہ یقیناً اس کی گھبراہٹ کو انجوائے کر رہا تھا۔ علینہ وہاں سے اٹھنے کا بہانہ تلاشنے لگی۔

"میں آپ کے لئے چائے لاتی ہوں۔"

"کوئی ضرورت نہیں۔ بیٹھی رہو آرام سے۔"

اس نے منع کر دیا تو وہ دل مسوس کر رہ گئی۔

وہ بہت ایزی ہو کر بیٹھا اسی کے چہرے پر نظریں جمائے ہوئے تھا۔ وہ حد درجہ کنفیوز ہونے لگی۔

"بی بی جان سے ملے ہیں آپ؟" اس کا دھیان بٹانے اور اپنی گھبراہٹ دور کرنے کے لئے اس نے یونہی بات شروع کی اور وہ بے وقوف نہیں تھا کہ اس کے گریز کے رنگ نہ پہچانتا۔ بہت اطمینان سے بولا۔

"تب سے مل کر تم سے ملنے آیا ہوں۔"

"اف۔" اس کی رنگت تمتما اٹھی۔ لب ارمغان نے چاہے کتنی ہی سادگی سے بات کی ہو اس کی ذو معنویت اپنی جگہ تھی۔

"اچھا نہیں لگا میرا آنا؟" ارمغان نے گہری نگاہ اس پر ڈالی۔

"ایسی تو کوئی بات نہیں۔" اس نے فی الفور نفی میں سر ہلایا۔

"تو پھر اچھا لگا ہو گا؟" اس نے مسکراہٹ دبائی۔ علینہ عجوب سی سر جھکا گئی۔

"خاموشی تو بھی ہاں ہوتی ہے۔" وہ ہنسا۔

"ہمیشہ تصویر کے دونوں رخ مد نظر رکھنے چاہئیں۔" وہ قدرے توقف سے بولی تو اس کا لہجہ سنجیدگی لئے ہوئے تھا۔

"بالکل ٹھیک ہے۔" ارمغان نے فوراً تائید کی۔

"لیکن یہ تو شکر ہے کہ تو بھی ہاں کا مطلب [illegible] تم نے مان [illegible]

[illegible] سے بولی۔

"[illegible] ایسا ہونا چاہئے۔" وہ [illegible] رہا تھا۔ علینہ نے بہت ہمت کر کے اس کی طرف دیکھا پھر بہت جھجک کر پوچھا۔

"کیا کبھی ماضی میں یعنی ہم نے کبھی یوں بات کی تھی؟"

"ہاں ہاں۔" اس نے فوراً حسرت آمیز انداز اپنایا۔ "ماضی میں اتنا ٹائم ہی کب ملا تھا۔ بابا سائیں نے بچپن ہی میں کھونٹے سے باندھنے کی سوچ لی تھی۔ وہ تو اللہ میاں میرے حامی تھے اس لئے میں تمہارے لئے بچ گیا ورنہ تو۔"

وہ بہت شرارت سے کہہ رہا تھا۔ اس کے انداز و الفاظ پر وہ بے ساختہ ہنس دی۔ تبھی اپنی جھونک میں اندر آتا علی شاہ ٹھٹکا۔

"بھائی۔" وہ یکلخت سنبھلی تھی۔

"السلام علیکم۔" ارمغان اٹھ کر علی شاہ سے لپٹا تھا جبکہ علینہ دھڑکتے دل کے ساتھ علی شاہ کے سپاٹ چہرے کو دیکھ رہی تھی۔

"کہاں ہوتے ہو یار؟" وہ شکوہ کر رہا تھا۔

"میں تو ہمیشہ صحیح جگہ پر ہوتا ہوں، تم اپنی بات کرو۔" علی شاہ کا انداز بہت روکھا تھا۔ جو یقیناً ارمغان نے بھی محسوس کر لیا مگر وجہ وہ سمجھ نہیں پایا تھا۔ پھر بھی اسی دوستانہ انداز میں بولا۔

"علینہ! میرے لئے چائے بنا لاؤ جا کر۔"

علی شاہ کی ناگواری و سنجیدگی سے علینہ کا دل سہم گیا۔ وہ فوراً اٹھی اور کمرے سے نکل گئی۔

"خیریت تو ہے۔ تمہارا موڈ کیوں بگڑ رہا ہے۔"

ارمغان نے ٹٹولتی نظروں سے اسے دیکھا وہ یونہی بے حد سنجیدہ سا بستر پر بیٹھ کر پیروں کو جوتوں کی قید سے آزاد کرنے لگا۔

"تمہارے فائدے کی بات کہوں گا ارمغان علینہ سے دور رہو۔"

اس کی بات اس کا انداز اس قدر غیر یقینی اور غیر متوقع تھا کہ ارمغان کا دماغ جھنجھنا اٹھا۔ کئی لمحوں تک تو وہ کچھ بول ہی نہیں پایا۔ علی شاہ نے بات جاری رکھی۔

"یہ صرف تمہاری ہی نہیں علینہ کی بھی بہتری ہو گی۔"

"کیا میں وجہ پوچھ سکتا ہوں اس قدر غرض کی؟" اب وہ قدرے دھیان سے علی شاہ کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"دیکھو ارمغان میں نے کیسے دیا کیا یہ کافی نہیں؟"
اب کی بار اس کی پیشانی پر شکن تھی۔
"میں اپنے تئیں اس معاملے کو امپرو کرنے کی کوشش نہیں کر رہا۔ یہ معاملہ بڑوں کی کورٹ میں طے ہو رہا ہے۔"
ارمغان کا انداز اب بھی ٹھنڈا اور پر سکون تھا۔ جبکہ اس اطلاع نے علی شاہ کو ساکت کر دیا پھر وہ بھڑک اٹھا۔
"کون کر رہا ہے ایسا؟ کون کر سکتا ہے؟"
علی شاہ کا رد عمل ارمغان کو تحیر میں مبتلا کرنے لگا۔
"روک بھی کون سکتا ہے علی شاہ؟" اب کی بار اس کا انداز بھی تیکھا تھا۔
"ان کے ہوتے ہوئے کسی اور کی کیا ضرورت ہے۔" ارمغان کی بات کا جواب زینب نے جلتے ہوئے لہجے میں دیا تھا۔ بالوں کو سفید تولیے میں لپیٹے سیاہ لباس میں ملبوس وہ باتھ روم سے نہا کے نکلی تھی۔
"ہاں میں روکوں گا۔ کیونکہ مجھے حق ہے اس کا۔" وہ بے حد سرد نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔
"اور وہ اس کا اپنی زندگی پر کوئی حق نہیں؟" وہ چیخ کر بولی تو مجبوراً ارمغان کو اسے ٹوکنا پڑا۔
"تم مت بولو زینب۔"
"ارا! آپ نہیں جانتے آپ کچھ بھی نہیں جانتے۔" وہ کچھ بتانے کی کوشش میں ناکام ہو کر آنکھوں کی نمی چھپانے کی خاطر مڑ گئی۔
"تم مجھ سے کھل کر بات کرو علی۔" ارمغان کے چہرے پر سنجیدگی کی سرخی چھا گئی تھی۔
"میں نے جو کہنا تھا کہہ دیا۔ اب تم پر منحصر ہے کہ تم کیا قدم اٹھاتے ہو۔"

[illegible] سپاٹ اور بے اعتنائی سے بھرپور [illegible] بازو رکھ لیا [illegible] نہیں تھا کہ وہ مزید برداشت کا مظاہرہ کر سکے۔ وہ لب بھینچے وہاں سے نکل چلا گیا۔ زینب کو اس لیے علی شاہ سے الگ رہا تھا۔

"مل گیا سکون آپ کے دل کو بہن کی ایک اور خوشی برباد کر کے؟" آنسوؤں سے بھیگی آواز میں ڈوبی اس کی آواز پر اس نے آہستگی سے بازو ہٹایا تھا۔ سیاہ لباس میں ملبوس بھیگے بال شانوں پر بکھرائے وہ حد درجہ ملول و افسردہ تھی۔
"میں تم سے بہتر سمجھتا ہوں کہ اس کی خوشی کیا ہے؟"
"مت دیں فریب خود کو بھی اور مجھے بھی۔" اس کے انتہائی آرام سے کہہ دینے پر وہ دبے دبے لہجے میں چیخ اٹھی تھی۔
"میں نے تمہیں کوئی فریب نہیں دیا۔" وہ بے حد سکون سے کہتا اٹھ بیٹھا۔ "اور آج ایک بات کلیئر کر ہی دو کہ میں نے تمہیں کیا کیا فریب دیے ہیں؟"
"اس سے بڑا فریب اور کیا ہو گا کہ آپ نے ہمیشہ اپنا اچھا روپ میرے سامنے رکھا اور اب یوں ایک دم سے ہر نقاب اتار ڈالی چہرے سے۔" وہ بہت تھکے ماندے ٹوٹے ہوئے لہجے میں کہتی علی شاہ کی برداشت آزما گئی۔ وہ بستر سے اتر کر اس کے مقابل آ گیا۔
"میں نے کبھی خود کو پوز نہیں کیا۔ میں جیسا تھا اور جیسا ہوں ویسے ہی خود کو رکھتا ہوں۔ اگر تم نے مجھے کوئی ایسا ہی ماورائی مقام دے رکھا تھا تو یہ سراسر تمہاری غلطی تھی۔ تمہارے انداز نظر کی بھول تھی۔"
وہ اس سے چند انچ کے فاصلے پر سانس روکے کھڑی تھی۔ کتنا اکھڑ اور بے اعتنائی سے بھرپور لہجہ تھا اس کا حلق نمکین ہونے لگا۔
"اور یہ بے رخی، یہ بے نیازی اور بے اعتنائی کیا یہ بھی میری نظر کی بھول چوک ہے؟"
"یہ تمہارے اعتماد اور اعتبار کی کمزوری ہے۔" اس کا لہجہ سلگتا ہوا تھا۔ "میں تم سے بہت کچھ کہنا چاہتا تھا مگر۔"
"آپ کو کچھ کہنے کی ضرورت نہیں علی شاہ۔ بس علینہ کو اس کی خوشیاں پا لینے دیں۔ اس کی بددعاؤں کے حصار سے نکل آئیں پھر میں تو ہوں ہی آپ کی۔"
وہ بے کسی سے چور ملتجیانہ انداز میں بولی تو چند ثانئے

تک اسے یونہی دیکھتے رہنے کے بعد علی شاہ نے بے حد سرکش انداز میں اسے اپنی گرفت میں لیا تھا۔

"یہ رشوت تو مت دو مجھے' یہ حق تو میں بنا اجازت بھی وصول کر سکتا ہوں۔" اپنے انداز کے برعکس وہ بے حد نرمی اور ملائمت سے اس کے نقوش کو چھو رہا تھا اور زینب؟

اس کے تمام خیالات بھک سے اڑ گئے۔ وہ حیا سے چور تو کیا ہوتی لگے یوں لگا جیسے اس کے بدن میں جان باقی نہ رہی ہو۔ اس کا تمام وزن علی شاہ نے سہار رکھا تھا۔

اس کا تیز ہوتا تنفس اور لرزیدہ وجود علی شاہ سے مخفی نہیں تھا۔ اس نے زینب کا چہرہ اوپر کیا تو اس کی شہابی رنگت اور گلاب رنگ ہونٹوں نے لحظہ بھر کو اس کی نگاہوں کو جکڑ لیا۔

"میری اتنی سی محبت تو تم سے سہی نہیں جا رہی' پھر یہ نفرت کیا دل پہ پال لیا تم نے۔ ہوں؟" وہ دھیمے سے لہجے میں خفیف سا طنز سموئے ہوئے تھا۔

قربت کے ان لمحوں میں زینب کو یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے اس کی روح کو کوڑا رسید کیا ہو۔ اس نے بوجھل پلکیں اٹھا کر بڑے حوصلے سے اس کی آنکھوں میں دیکھا تھا۔

"اتنی سستی شے نہیں ہوں میں علی شاہ' جذبات کے آگے ہتھیار ڈالنا مجھے گوارہ نہیں ہے اور رہی بات نفرت کی تو میں لاکھ کوشش کروں علی شاہ' مگر دل پر جو نقش آپ کے ثبت ہیں وہ مٹتے ہی نہیں' اتنے گہرے رنگ ہیں ان کے۔ اسی لیے تو بار بار اتنی تلخ ہو جاتی ہوں کہ مجھے وہی علی شاہ چاہیے' جس کی توجہ' محبت اور التفات مجھے پھول کی مانند کھلائے رکھتا تھا۔ جس کی شناسا آنکھیں [illegible] تھی جو سراپا [illegible] میں اس نفرت والے علی شاہ سے متنفر ہوں اور جس روز میرا علی شاہ مجھے مل گیا میں اس کے قدموں میں بیٹھ کر معافی مانگ لوں گی۔"

اس کی آنکھیں ضبط سے گلابی ہو رہی تھیں اور لہجہ گلوگیر تھا۔

علی شاہ کا دل چاہا کہ بدگمانیوں کی دھول میں لپٹی اس جان سے پیاری لڑکی کو بانہوں میں بھر کے اپنی تمام تر بے التفاتی و بے اعتنائی کی تلافی کروا دے مگر اس خیال کی لہر اٹھتے ہی اس کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔ وہ بہت ٹھنڈا ہو کر پلٹ کر بستر پر اوندھے منہ جا لیٹا تھا۔

لمحوں کے فریب اور پرفسوں خواب سے نکلنے کے بعد وہ کئی لمحوں تک بت کی مانند وہیں استادہ رہی پھر یکلخت ہی دل و دماغ میں قہر سا اٹھنے لگا۔ اپنی اتنی بے قدری و بے توقیری اس سے برداشت نہیں ہو پائی۔ وہ آنکھوں میں آئے پانی کو ہتھیلیوں سے رگڑتی تیزی سے دروازہ کھول کر بی بی جان کے کمرے کی طرف بھاگ گئی۔

♣ — * — ♣

رات کا جانے کون سا پہر تھا جب ملنے نے اچانک چیخنا شروع کر دیا۔ بی بی جان ہڑبڑا کر اٹھی تھیں۔ انہوں نے فوراً لائٹ جلا کر وہ اس کی طرف بڑھیں۔ سرد موسم میں پسینے میں تر وہ آنکھیں سختی سے بھینچے ہوئے تھی۔ انہوں نے لپک کر اسے اپنی آغوش میں لے لیا۔

"ملنے... کیا ہوا میری دھی...؟"

ان کی پرشفقت آغوش کی گرمی اور بے تابانہ انداز یکلخت اسے ہوش میں لے آئے۔ وہ اب ان کے سینے میں چہرہ چھپائے گہری سانسیں لے رہی تھی جیسے معلوم نہیں کتنی مسافت طے کر آئی ہو۔

"بی بی جان... میں... ڈر گئی تھی۔"

وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی تو انہوں نے اسے سامنے کرتے ہوئے اس کی پیشانی چومی اور اسے تسلی دینے لگیں۔

"کوئی برا خواب دیکھا ہوگا۔"

وہ کچھ نہیں بولی بس ان کی گود میں سر رکھ کے لیٹ گئی۔ اس کی زرد پڑتی رنگت ان سے مخفی نہیں تھی۔ وہ اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگیں۔

"بی بی جان میں نے... میں نے خواب میں دیکھا کبیر اور لوا عمر کو دیکھا تھا اور ساتھ علی عباس کو وہ لوگ خون میں بھیگے ہوئے تھے ان کے منہ پر بھی خون لگا تھا

جیسے انہوں نے کتنے ہی انسانوں کا خون بہا ہو۔ وہ لوگ میرے پیچھے بھاگ رہے تھے میں بھاگتے بھاگتے گر گئی اور پھر میں زور زور سے مدد کے لیے چیخنے لگی۔" وہ ڈرتے ہوئے لہجے میں بولتی جھرجھری لے کر خاموش ہوگئی۔

"میری سوہنی دھی! آنکھیں بند کر کے سونے کی کوشش کرو۔ میں آیۃ الکرسی پڑھ کر پھونکتی ہوں تم پر۔"

انہوں نے دل کے درد کو دباتے ہوئے اسے پچکارا تو اس نے تھکے تھکے انداز میں آنکھیں موند لیں۔ وہ آنسو پیتی خضوع و خشوع سے آیۃ الکرسی کا زیر لب ورد کرنے لگیں۔

اگلے روز وہ زینب کو بڑی تفصیل سے خواب سنا رہی تھی۔ وہ بھی جو اس نے بی بی جان کو نہیں بتایا تھا۔

"پتہ ہے زینب میں نے خواب میں کسی مرد کو بھی دیکھا تھا۔ اس کا چہرہ تو مجھے دکھائی نہیں دیا مگر وہ مجھے پکار رہا تھا جیسے وہ کسی مشکل میں ہو۔ وہ آواز یوں لگتا ہے جیسے بہت مانوس تھی میرے لیے۔ میں بے ساختہ تڑپ اٹھی تھی اس کی مدد کے لیے مگر پھر سب کچھ خون میں ڈوب گیا۔"

اس کی لرزتی آواز اور زرد پڑتی رنگت گواہ تھی کہ وہ ابھی تک اس خواب کے اثر سے نکل نہیں پائی۔ زینب سن بیٹھی تھی۔

تو علی شاہ یوم احتساب قریب آپہنچا ہے۔

رات کو وہ بپھرا ہوا اس کے مقابل موجود تھا۔

"تم نے بی بی جان سے ملنے اور ارمغان کے رشتے کی بات کی تھی کل ...؟"

"ہاں کی تھی۔" وہ اس کے تیوروں سے خائف ...

"میں نے تم سے کہا تھا کہ اس سلسلے میں کچھ پیش قدمی مت کرنا۔ تم پر اثر نہیں ہوا؟" وہ دانت پیستے اس کی طرف بڑھا مگر اس کی بے خوفی میں کوئی کمی نہیں آئی۔

"باہمی تعلقات میں الفاظ سے زیادہ رویے کی اذیت ہوتی ہے۔"

اس کا انداز بے حد جتانے والا تھا کہ "مجھے تمہارے کہے کی کوئی پروا نہیں۔" وہ چند ثانیوں تک اسے گھورتا رہا پھر سرد لہجے میں بولا۔

"جو تم چاہ رہی ہو وہ میں تمام عمر نہیں ہونے دوں گا۔"

"مگر کیوں؟" وہ زچ آکر چلا اٹھی۔

"یہ بھی سوچا تھا کہ تمہیں کبھی بتاؤں گا مگر اب نہیں۔" وہ استہزائیہ انداز میں کہتا مڑا تو زینب نے اس کا بازو جکڑ کر اسے جھٹکے سے اپنی طرف موڑنا چاہا اگرچہ وہ اپنی کوشش میں ناکام رہی مگر اتنا ضرور ہوا کہ وہ رک گیا۔

"کیا کھیل کھیلنا چاہتے ہیں اب آپ؟ ایک بار تو اس کی دنیا اجاڑ دی تھی۔ دوبارہ اسے بسا کر تلافی کیوں نہیں کر لیتے۔ کیوں خود کو بھی اور مجھے بھی بددعاؤں کے حصار میں قید کر رکھا ہے آپ نے؟"

اس پر ہسٹریائی کیفیت طاری ہو رہی تھی۔

"میں وہی کروں گا جو بہتر سمجھوں گا۔" اس نے سرد مہری سے کہتے ہوئے زینب کا ہاتھ جھٹکا تھا۔

"اب مزید آپ اپنے چہرے پر نقاب نہیں سجا سکیں گے۔ بس کوئی پل ہے کہ ملنہ کو سب یاد آجائے گا۔ وہ کرید کرید کر مجھ سے پچھلے دنوں سے متعلق پوچھتی ہے اسے ڈراؤنے خواب نظر آتے ہیں اور خون کی ہولی کھیلتے اپنے تینوں بھائی۔"

وہ روتے ہوئے چیخ رہی تھی۔ وہ بے تاثر نظروں سے اسے دیکھتا بستر پر نیم دراز ہو گیا۔

"تو تمہارا کیا نقصان ہو رہا ہے۔ تم اپنی مرضی اور خواہش کے مطابق رہ رہی ہو۔ میں نے کبھی تمہیں تنگ نہیں کیا، کبھی تم سے کوئی مطالبہ نہیں کیا۔" وہ بہت بے دردی سے کہتا اس کے دل کو چیر گیا۔ اس کے آنسوؤں میں روانی آگئی۔ وہ بہت ہار کر اس کے پیروں کی طرف بیٹھ گئی۔

"میرا تو اتنا عظیم نقصان ہو رہا ہے علی شاہ۔" اس کی آواز شکوہ و ملال سے پر اور بھیگی ہوئی تھی۔ "آپ کا

سمجھتے ہیں کہ میں بہت چین سے رہ رہی ہوں۔ اگر صبح سے رات اور رات سے صبح کرنے کا نام زندگی ہے تو پھر واقعی میں بہت اچھی زندگی گزار رہی ہوں۔ محبت کی بنیاد قربت نہیں بلکہ قربت کی بنیاد محبت ہوتی ہے اور آپ نے تو مجھے میری نظروں سے گرا دیا ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے وہ محبت ہی نہیں رہی جسے قرب کی بنیاد بنایا جائے۔ کوئی بھی شوہر جب محبت سے بیوی کی طرف پیش قدمی کرتا ہے تو اس لمحے بیوی اپنے آپ کو دنیا کی سب سے افضل عورت سمجھنے لگتی ہے۔ میں تو لمحہ بہ لمحہ دن بدن مٹی ہوتی جا رہی ہوں علی شاہ اور آپ کہتے ہیں کہ میں اپنی مرضی اور خواہش سے رہ رہی ہوں۔ میں بھی انسان ہوں، کمزور سی عورت ہوں، زیادہ دیر آپ کی بے التفاتی اور سخت الفاظ برداشت نہیں کر پاؤں گی۔" اس کی سلگتی ہوئی آنکھیں چھما چھم برس رہی تھیں علی شاہ لب بھینچے ایک ٹک اسے دیکھ رہا تھا۔

"اس سے زیادہ کھل کے میں آپ سے کیا کہوں کہ ملنے کی خوشیاں اسے لوٹا دیں۔ پھر ہم بھی بہت خوش رہیں گے۔ آپ چاہے مجھے باندی بنا کر رکھیے گا گھر میں اف تک نہیں کروں گی۔ لیکن یہ ہر پل "کچھ ہو نہ جائے" والی زندگی مجھے نہیں چاہیے۔"

"سونے سے پہلے لائٹ آف کر دینا۔"

سپاٹ سے انداز میں کہتے ہوئے اس نے کروٹ بدلی تو وہ مارے دکھ کے ششدر سی اسے دیکھے گئی۔ پتہ نہیں کتنی دیر کے بعد وہ بولنے کے قابل ہوئی تھی۔

"علی شاہ آپ ایسے تو کبھی نہیں تھے۔"

اس نے تڑپ کے اس کے بازو کو چھو کر رو دینے والے لہجے میں کہا تو وہ آرام سے بولا۔

"جب تم نے مجھے بے اعتبار [illegible] کا خطاب [illegible]

"میں نے وہی کچھ کیا تھا جو ٹھیک تھا۔" اس نے احتجاج [illegible] منہ موڑ کر اسے دیکھنے لگی۔

"تم نے جو سنا اسے ہی سچ جانا، تم نے ایک بار بھی مجھ سے کچھ پوچھنے کی کوشش کی۔" اس کے لہجے

سے بات کر رہا تھا۔

"تمہارے متعلق مجھے کوئی غلط فہمی [illegible] بات بھی کر دے گھر میں تب تک اس پر یقین نہیں کروں گا جب تک تم مجھے اپنی زبان سے نہ بتاؤ۔ افسوس میں تمہیں بھی یقین کی اسی منزل پہ سمجھ رہا تھا۔" علی شاہ کے لہجے میں اس قدر افسوس تھا کہ وہ تڑپ اٹھی۔ یوں لگا جیسے کچھ غلط کر رہی ہو۔

"تو آپ مجھے بتا دیں نا۔ کیوں کیا آپ نے یہ سب؟" تھما پھرا کر اس نے پھر سے وہی سوال کیا تو علی شاہ کا دماغ گھوم گیا۔

"میں نے جو بھی کیا ہے بہت اچھا کیا ہے۔ تمہیں اپنا دماغ کھپانے کی کوئی ضرورت نہیں۔" وہ بھڑک اٹھا تھا پھر اسے متنبہ کرنے لگا۔ "اور آئندہ سے تم ملنے سے متعلق کسی معاملے میں انٹرفیئر نہیں کرو گی۔ میرے جیتے جی اس کی شادی ارمغان سے بھی نہیں ہو سکتی۔"

"لیکن کیوں؟ کیا بگاڑا ہے اس نے آپ کا؟" وہ ششدر سی تھی۔ ملنے کی خاطر جان دینے کی باتیں کرنے والا علی شاہ تو نہیں تھا۔

"یہ اس کی سزا ہے۔" وہ سنگدلی سے پر لہجے میں بولا تو زینب کو رونا آنے لگا۔

"تو پھر مجھے سزا کیوں دے رہے ہیں؟"

وہ بہت چاہتے ہوئے بھی کہہ نہیں پائی کہ خود سے دور رکھنے کی، تڑپانے کی اور سلگانے کی سزائیں دے رہے ہو۔ جب وہی طلب کی حدوں سے نکل گیا تھا تو وہ ایک بیوی ہو کر یہ بات کیسے کہہ دیتی۔ جبکہ اب پہلے سی بے تکلفی، مان اور اپنائیت بھی مفقود تھی۔

"میں تو خود سزا کاٹ رہا ہوں زینب۔" یکلخت ہی وہ بجھے ہوئے انداز میں بولا پھر کروٹ بدل گیا۔ "لائٹ آف کر دو۔"

وہ خالی نظروں سے اسے دیکھے گئی۔

◆ — * — ◆

وہ ہفتہ بھر سے لاہور گیا ہوا تھا تو زینب کو حویلی

سنسان دکھائی دے رہی تھی۔ حالانکہ جب وہ یہاں ہوتا تب بھی ان میں بات چیت نہیں ہوتی تھی مگر اس کے لیے اتنا ہی کافی تھا کہ وہ نگاہوں کے سامنے ہوتا تھا۔

علینہ نے اسے چھیڑ چھیڑ کر ناک میں دم کر رکھا تھا۔ زینب کی بے کلی اور بے قراری اس سے چھپی ہوئی نہیں تھی۔

"اتنی بے قراری سے یاد کرو گی تو بھائی بیچارے کو چھینک چھینک کر زکام ہو جائے گا۔" وہ کھلکھلائی تھی۔ زینب نے اسے گھورا۔

"فضول باتیں مت کرو۔"

"سچ تو لگ رہا ہے بھائی کچے دھاگے سے بندھا چلا آئے گا۔" وہ شوخی سے باز نہیں آ رہی تھی۔

کاش۔ زینب کے دل میں بے ساختہ خواہش ابھری تھی۔

تنہائی اور ویرانی سے اسے وحشت ہونے لگی تو وہ سیاہ رات کے سناٹے میں شدید سردی سے بے نیاز باہر نکل آئی۔

سردی اپنے عروج پر تھی مگر گھٹن نے اس کی سانسوں کو بوجھل کر رکھا تھا۔ اسے خبر تھی کہ اگر آدھی رات کو یوں کسی نے اسے بھیگی گھاس پر چہل قدمی کرتے دیکھ لیا تو اک ہنگامہ بپا ہو جائے گا مگر اس وقت تو وہ گویا سود و زیاں سے بالکل لاتعلق ہو رہی تھی۔ آنسو تھے کہ اُمڈے چلے آ رہے تھے اس کی یاد تھی کہ رگ رگ میں حشر بپا کر رہی تھی۔

"کتنے بے رحم ہو تم علی شاہ' پتہ نہیں کس بات کا بدلہ لینا چاہتے ہو مجھ سے، جھکانا چاہتے ہو۔ حالانکہ تم جانتے ہو کہ بدلے کے تقاضوں کو تم میں خاموشی سے [illegible]

[illegible] روتے ہوئے تھک گئی تو وہیں ٹھنڈے فرش پر بیٹھ گئی۔ شال اچھی طرح لپیٹنے کے باوجود سردی رگوں میں اترتے خون کو منجمد کر رہی تھی مگر شدید ترین بے حسی نے وجود کو اپنے حصار میں لے رکھا تھا۔ چوکیدار نے گیٹ کھولا تو سیاہ جیپ ڈرائیووے پر آن رکی۔ تیزی سے اندر بڑھتا علی شاہ لان کے اندھیرے میں کسی ہیولے کو دیکھ کر بری طرح ٹھٹکا تھا۔ دل خدشات سے بھرنے لگا۔

"زینب ... یا علینہ...؟"

وہ گھٹنوں کے گرد بازو لپیٹے سر نیہوڑائے بیٹھی تھی۔ علی شاہ نے شدید جھلاہٹ اور بے یقینی کی سی کیفیت میں اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر جھنجوڑا تب اس کی چادر سرکنے پر سنہری بالوں کی جھلک علی شاہ کو گنگ کر گئی۔

"زینو۔"

وہ خالی نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔ آنسوؤں سے بوجھل سرخ ہوتی آنکھیں اور بکھرا حلیہ علی شاہ کو تحیر میں غرق کر رہا تھا مگر ساتھ ہی اس کی بیوقوفی پر غصہ بھی آ رہا تھا۔

"یہاں کیا کر رہی ہو اس وقت؟"

"علی۔" اس کے ہونٹوں نے بے آواز جنبش کی تھی ساتھ ہی آنسو رخساروں پر لڑھک آئے۔

"پاگل ہو گئی ہو زینو۔ اٹھو اندر چلو۔"

علی شاہ کا دل گداز ہونے لگا۔ وہ کاٹن کے لباس پر سیاہ چادر اوڑھے پتہ نہیں کب سے اتنی سردی میں بیٹھی تھی۔

"نہیں۔" اس نے نفی میں سر ہلایا۔ "اندر میرا دم گھٹتا ہے۔"

وہ رونے لگی۔ علی شاہ لب بھینچ گیا۔ پھر اسے اٹھانے کی کوشش کی۔

"علی پلیز۔" وہ اپنے شانوں پر سے اس کے ہاتھ ہٹانے لگی۔

"وہاں بہت گھٹن ہے۔" اس کی آواز بھرائی ہوئی اور بے بسی سے پر تھی مگر علی شاہ کی تمام تر توجہ اس کے بھیگے بالوں پر تھی۔

"کیا پاگل پن ہے زینی۔ کتنی سرد ہو رہی ہو تم اٹھو اور اندر چلو۔" وہ قدرے سختی سے بولا مگر وہ اٹھی نہیں یونہی بے آواز آنسو بہاتی رہی۔

"اندر تو اس سے زیادہ گھٹن ہے علی شاہ۔"

کیونکہ آپ اور میں بھی بالکل سرد ہیں مگر یہ سردی بے حسی کو کم کرتی ہے اس سرد مہری میں تو شعلے چھپے ہیں۔

"شش اب زینب اٹھو۔"

اپنے "الجھے ہوئے" اندر کو سنبھالتے ہوئے علی شاہ نے لہجے میں سختی سمو کر بازو سے پکڑ کر اسے کھڑا کیا تو وہ لڑکھڑا گئی۔ سرد ہوتی ٹانگیں اور پاؤں وزن سہارنے سے انکاری تھے۔ اس کی حالت علی شاہ کو طیش دلانے لگی۔

"کب سے بیٹھی ہوئی ہو بے وقوفوں کی طرح؟"

وہ کچھ بولنا چاہ رہی تھی کچھ کہنا چاہ رہی تھی مگر آنسوؤں نے اتنی مہلت ہی نہیں دی کہ وہ زبان کو زحمت دیتی۔

وہ لب بھینچے ماتھے پر شکنیں ڈالے اسے سہارا دیئے اندر لے آیا۔ وہ ہیٹر آن کر کے پلٹا تو وہ نڈھال سی بستر پر بیٹھی تھی۔ سردی سے ہونٹ نیلے اور چہرہ سپید پڑ رہا تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر نرمی سے اس کے شانوں پر ہاتھوں کا دباؤ ڈال کر کہا۔

"کمبل اوڑھ کر لیٹ جاؤ۔"

اس کے التفات نے جلتی پر تیل کا سا کام کیا تھا۔

"مت کریں اتنی وضع میری' اتنی آسانی سے نہیں سہا گی۔" وہ یکلخت اس کے ہاتھ جھٹکتے ہوئے چیخی تھی۔ اس کے اس قدر غیر متوقع انداز پر وہ ہکا بکا رہ گیا۔

"زینی۔۔۔" وہ کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

"علی شاہ پلیز! اور کچھ مت کہیں مجھ سے اب کچھ بھی برداشت نہیں ہوتا۔ اتنا تنگ کریں گے تو میں جان دے دوں گی۔"

وہ تک رہا تھا بالکل بھی اپنے حواس میں نہیں ...

... اسے ہاتھ جوڑے ہوئے ... تو وہ انداز میں ...

اس کی لہو رنگ آنکھوں میں اس قدر بے بسی و بیچارگی تھی کہ علی شاہ بے اختیار جھک کر اسے بانہوں کے حصار میں لے گیا۔ اسے یوں لگا جیسے پیاسی دھرتی پر ساون کی پہلی پھوار برس گئی ہو۔ جیسے اندر کی چٹخی ہوئی زمین پر کسی نے پانی کے چھینٹے مار دیئے ہوں۔ ان لمحوں کے قرب نے اضطراب و بیزاری اس کے چند لمحوں میں مٹا دی۔

علی شاہ ہارنے لگا۔ اپنی محبت سے زینب کی محبت سے۔

"تم جانتی ہو زینو کہ تم کیا ہو میرے لیے اور یوں تم خود کو نہیں بلکہ مجھے تکلیف پہنچا رہی ہو۔"

اس کے بالوں کو ہونٹوں سے چھو کر بہت بے بسی سے کہتے ہوئے اس نے زینب کو سامنے کیا تو وہ بے سدھ سی آنکھیں موندے ہوئے تھی۔ بے چینی و اضطراب کی شدت تیز تر علی شاہ کے پورے وجود کا گھیراؤ کر گئی۔ اسے نرمی اور احتیاط سے بستر پر لٹا کر وہ گہری سانس لے کر اس پر کمبل ڈالتے ہوئے سیدھا ہوا۔ ایک نگاہ اپنی رسٹ واچ پر ڈالی اور جیکٹ اتار کر کرسی پر ڈالتے ہوئے کپڑے بدلنے کی غرض سے باتھ روم میں گھس گیا۔ ذہنی پراگندگی اس قدر شدید تھی کہ اس غضب کی سردی میں بھی اس کا شاور لینے کو جی چاہنے لگا۔ کپڑے بدل کر وہ باہر آیا۔ ایک نظر کروٹ کے بل لیٹی زینب پر ڈالی پھر لائٹ آف کر کے اپنی جگہ پر لیٹ گیا۔ سوچوں نے دماغ کو پوری طرح اپنے بس میں کیا ہوا تھا۔ وہ زبردستی آنکھیں موندے سونے کی کوشش کرنے لگا۔ زینب کی آنکھوں کے کنارے بہت آہستگی سے بھیگنے لگے تھے۔

♣ — * — ♣

علی شاہ کی بے اعتنائی و بے رخی اس کی عزت نفس پر تازیانے کی صورت لگی تھی کہ ہر پل اس کی طرف ملتفت رہنے والا قطعی لاتعلق کنفیوز کرنے لگا تھا۔ جہاں اس کا یہ رویہ زینب کو دکھی کر رہا تھا وہیں ایک شدید جھنجلاہٹ بھی اسے اپنے حصار میں لیے ہوئے تھی۔

وہ اسے بے حد چاہتا تھا پھر اس قدر بے قدری؟

کیوں اترا ہوا تھا؟

اس کی نسوانی انا چوٹ کھائی ناگن کی طرح حملہ کر رہی تھی۔

کس بات کی کمی ہے مجھ میں؟

وہ آئینے کے سامنے کھڑی ہو گئی۔

وہی جھیلوں کی مانند چمکتی آنکھیں اور ان پر سایہ فگن خمدار پلکیں اور وہی گلاب کی پتیوں سے بڑھ کر خوبصورت ہونٹ۔

شہد میں شہری رنگت۔

اور یہ سونے کی تاروں سے بال۔

وہ اس کی سی کیفیت میں وہ اپنی اک اک خوبصورتی کو جانچ رہی تھی۔ اسی کیفیت میں اس نے آہستہ آہستہ اپنی لمبی چٹیا کھول ڈالی تھی۔

آئینہ بھی اس کے بے داغ حسن کی گواہی دے اٹھا۔ تو اس کی آنکھوں میں نمی تیرنے لگی۔ اس نے پلکیں جھپک کر بمشکل آنسو روکے اور بوجھل انداز میں دونوں ہاتھوں سے بال سمیٹنے لگی۔

علی شاہ نے اندر داخل ہوتے ہوئے صرف ایک نظر اس پر ڈالی تھی۔ وہ بے حد سنجیدہ اور سرد سا لگ رہا تھا۔

اب تو زینب کو سمجھ میں ہی نہیں آ رہا تھا کہ جب وہ اس کے ساتھ کمرے میں ہوا کرے تو وہ کیا کیا کرے۔ نہ تو وہ خود اس سے مخاطب ہوتا تھا اور نہ ہی زینب کی انا گوارہ کرتی تھی کہ وہ خود سے اسے مخاطب کرے۔ مگر اسے بے حد حیرت ہوئی جب وہ منہ ہاتھ دھونے کے بعد تولیے سے چہرہ خشک کرتا اس کے سامنے [illegible] ہوا۔ [illegible] بھی وہ اسے دیکھنے لگی تھی۔

"[illegible] ہو؟" اس کا لہجہ بہت [illegible] سا تھا۔ اس قدر غیر متوقع جملہ زینب کو تپا گیا۔

"کیا مطلب ہے آپ کا؟" اس نے تیوریاں چڑھائیں۔ [illegible] وہ سنگ [illegible] بولا۔

"تم بچی نہیں ہو۔ اچھی طرح جانتی ہو کہ میں کیا کہہ رہا ہوں۔"

"یعنی تو آپ نے مجھے سمجھ رکھا ہے اس میں میرا کوئی قصور نہیں۔" اب کی بار اس نے آرام سے کہتے ہوئے ڈائجسٹ کھول لیا۔ وہ ہونٹ بھینچے غصے سے اسے دیکھنے لگا۔ کس قدر خود سر اور سرکش لگنے لگی تھی وہ۔

"تم علینہ کو باغ میں کیوں لے گئی تھیں؟"

"جس لئے آپ مجھے لے جاتے تھے۔" وہ اس قدر رسان سے بولی کہ علی شاہ کی کنپٹیاں سلگ اٹھیں۔ اس نے ایک جھٹکے سے اس سے ڈائجسٹ چھین کر پرے پھینک دیا۔ لحظہ بھر کے لئے زینب کا دل لرزا تھا۔ کتنا خونخوار ہو رہا تھا وہ۔

"بہت ہو گیا۔" وہ پھنکار اٹھا۔ "جب میں نے تمہیں ایک بار کہہ دیا کہ تم اپنے بھائی کو اس سے دور ہی رکھو تو تمہیں اثر کیوں نہیں ہوتا؟؟"

"میں بی بی جان کی اجازت سے گئی تھی۔" وہ اندر سے سہمی ہوئی تھی مگر بظاہر آرام سے بولی۔

"ان سے بھی بات کر لی ہے میں نے اور تم بھی یہ بات اپنے گھر والوں کو اچھی طرح سمجھا دو۔ وہ اس رشتے سے جواب سمجھیں۔"

وہ بے حد سرد لہجے میں کہتا زینب کو غصہ دلا گیا۔

"میں کیوں کسی کو منع کروں۔ آپ کی بھی اتنی ہی رشتہ داری ہے اور پھر لالہ سے تو آپ کی بہت دوستی ہے۔ خود کیوں نہیں کہہ دیتے ان سے۔"

"میں جب کہوں گا تو کسی اور ہی زبان میں کہوں گا۔ پھر نہ کہنا کہ۔" وہ بے حد غصے سے کہتا چپ ہو گیا تھا۔

"کہنے کی کیا ضرورت ہے۔ اب میں آپ کو اچھی طرح جان گئی ہوں۔" وہ تلخی آمیز انداز میں بولی تو اس کی بات کے جواب میں چند لمحوں تک وہ یونہی اسے دیکھتا رہا پھر سر جھٹک کر پلٹ گیا۔

"خیر اب پریشان ہونے کی کوئی بات نہیں ہے میں نے بابا سائیں سے کہہ دیا ہے کہ علینہ کا حق بخشوا دیں۔"

اس کے پر اطمینان انداز پر وہ ٹھٹک سے اڑ گئی۔
چند ثانیوں تک تو اسے اپنی سماعت پر شبہ رہا۔ وہ اطمینان سے شرٹ کے بٹن کھول رہا تھا۔
"کیا کہا آپ نے؟" وہ بے یقینی کے سمندر میں غرق تھی۔
"تمہاری حرکتوں کا اس سے بہتر جواب میرے پاس نہیں تھا۔ بابا سائیں بھی راضی ہیں اور اماں کبیر اور لوا عمر صحیح معنوں میں اب مجھ سے خوش ہوئے ہیں۔"
وہ بہت بے نیازی سے کپڑے بدلنے کی غرض سے باتھ روم میں گھس گیا۔ اور جب باہر نکلا تب بھی وہ اسی طرح منجمد سی بیٹھی تھی۔
"تمہیں تو خوش ہونا چاہئے کہ تمہارا شوہر بھی اب بابا سائیں کی گدی سنبھالنے کے قابل ہو گیا ہے۔ جو کمی تھی اس میں وہ دور ہو گئی ہے۔" اس کا لہجہ اور انداز اب یکسر بدلے ہوئے تھے۔
وہ بڑی خوشدلی سے کہتا اس کے سامنے بستر پر نیم دراز ہو گیا۔ وہ دکھ کی انتہا پر تھی۔
اسے یوں لگ رہا تھا ہر گزرتا لمحہ اسے علی شاہ سے دور لے جا رہا ہو اور یہ خیال اتنا پاورفل اور شدید تھا کہ اس نے بے اختیار ہاتھ بڑھا کر علی شاہ کا بازو چھو کر اسے محسوس کرنے کی کوشش کی تھی۔ پھر فوراً ہی ہاتھ کھینچ لیا۔ علی شاہ نے چونک کر اسے دیکھا تھا۔
"علی کیا واقعی اسے مار دیں گے آپ لوگ؟" اس کا لہجہ بھرایا ہوا تھا۔ علی شاہ نے اسے گھورا۔
"میں نے حق بخشوانے کا کہا ہے مارنے کا نہیں۔"
"ایک ہی بات ہے علی۔" اس کے آنسو بہہ نکلے۔ "اپنے فطری جذبات و احساسات سے جنگ لڑنا اور پھر شاید کہ فاتح رہنا بہت بڑا کمال ہوتا ہے۔ یہ بات مجھ [illegible] ملنے کو اس امتحان میں کامیاب ہوتا ہو اور وہ اس پندرہ سال کے بچے ہی سے [illegible] لگی اور آپ [illegible] ایسے انسان کی زندگی گزارنے پر مجبور کر رہے ہیں۔"
وہ جیسے ہار گئی تھی۔ مگر وہ ہنس دیا۔ جیسے اس نے کوئی بچکانہ بات کہہ دی ہو۔ پھر ہاتھ بڑھا کر بازو سے تھام کر اسے اپنی طرف کھینچ لیا۔
"تو کیوں جنگ کر رہی ہو اپنے جذبات سے؟ سرنڈر کیوں نہیں کر دیتیں۔ مان کیوں نہیں لیتیں کہ تم مجھے سمجھنے میں غلطی کر رہی ہو۔ ہار کیوں نہیں جاتیں مجھ سے؟"
"چھوئیں بھی مت مجھے۔" وہ اسے جھٹکتی پیچھے ہٹ گئی۔
کتنے زہریلے لفظوں کے وار کر رہا تھا وہ۔
کیا اتنا ہی گرا ہوا سمجھ رہا تھا وہ اسے کہ اب اتنے دنوں کے بعد وہ محض جذبات کے ہاتھوں بے بس ہو کر اپنے آپ کو اس کے سامنے پیش کر دے گی۔
"سمجھتے کیا ہیں آپ اپنے آپ کو؟ میں مر نہیں رہی آپ کے بغیر۔ جو کچھ آپ ہیں وہ آپ بھی بہتر سمجھتے ہیں اور مجھ سے بھی کچھ چھپا ہوا نہیں ہے۔" مارے غصے کے اس کی رنگت تپ کر سرخ ہو رہی تھی اور تنفس تیز ہو گیا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ایسے کون سے الفاظ کہے کہ علی شاہ کی ہنسی ختم ہو جائے اس کا سکون بھی اڑ جائے اس کی نیندوں کی طرح۔ مگر وہ ہنوز سلگانے والی مسکراہٹ لئے اس کی باتوں پر سر دھن رہا تھا۔
اس کو ایک بار پھر شدت سے احساس ہوا تھا کہ علی شاہ اب وہ نہیں رہا اور اس احساس نے اس کے اندر بے حد تکلیف دی تھی۔
اس نے اپنے آنسو چھپانے کے لئے خاموشی سے گھٹنوں میں منہ دے لیا۔

♣ ــــ ٭ ــــ ♣

کس قدر سہانا موسم تھا اور وہ شاید ارمغان تھا۔ بہت محبت سے اس کو دیکھتا اور اس کا نام پکارتا ہوا۔
اس نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا تھا تب ملنے شرماتے ہوئے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دینا چاہا تو یکلخت گھپ اندھیرا چھا گیا۔ مگر حیرت کی بات تھی کہ ارمغان کو دیکھ سکتی تھی۔ اس کا سفید لباس اندھیرے

میں بھی چبھ رہا تھا۔ ملنہ نے اپنے دل کو تیزی سے دھڑکتا محسوس کیا۔ اسے ارمغان کی شکل دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ اس کے بعد زور سے بادل گرجے جنھوں نے سیاہ رات کی ہولناکی کو مزید بڑھا دیا۔

اور پھر اس کی سانس رکنے لگی۔

ہر طرف خون ہی خون دکھائی دینے لگا تھا۔ اس کے تینوں بھائی خون میں ڈوبے اونچے اونچے قہقہے لگا رہے تھے اور پھر اس نے سکتے کے عالم میں ارمغان کو اپنے ہی لہو میں بھیگتے دیکھا۔ تو وہ چیخنے لگی۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے اس کے بھائیوں میں سے کسی نے ارمغان کو قتل کر دیا ہے۔ شاید علی شاہ نے۔

"ملنہ! میری دھی ہوش کرو۔" بی بی جان ہذیانی انداز میں چیخی ملنہ کو جھنجوڑ کر بیدار کر رہی تھیں خود ان کے ہاتھ پاؤں پھولنے لگے تھے۔

وہ پسینے میں ڈوبی ہوئی تھی اور اس کا تنفس تیز تر ہو رہا تھا۔ آنکھیں کھول لینے کے باوجود بھی وہ اونچی آواز میں رو رہی تھی۔

"میں پاس ہوں میری بچی کیا ہو گیا ہے؟"

بی بی جان نے پیار سے اسے خود سے لپٹا لیا تو وہ ان سے لپٹ گئی جیسے بے حد خوفزدہ ہو۔

اگلے چند لمحوں میں علی شاہ اور زینب آگے پیچھے اندر داخل ہوئے تھے۔

"کیا ہوا ہے بی بی جان؟" وہ بے حد پریشانی سے پوچھ رہا تھا۔

"پھر سوتے میں ڈر گئی ہے۔" وہ تھکے تھکے انداز میں بولیں۔ زینب اس کے پاس بیٹھ گئی۔ وہ بی بی جان کے سینے میں منہ چھپائے بے حس و حرکت تھی۔

"ملنہ۔" زینب نے آہستگی سے اس کو پکارتے [illegible] ہاتھ رکھا تھا۔ وہ چہرہ موڑ کر اسے دیکھنے لگی۔ پھر اس سے لپٹ کر رو دی۔

"آپی بڑی ہو کے ڈر [illegible]" زینب اسے خوف کی کیفیت سے نکالنے کی خاطر اس کا مذاق اڑاتے ہوئے بولی تو وہ سرخ ہوئی آنکھوں سے اسے دیکھنے لگی۔

"بہت برا خواب تھا زینی" انھوں نے "انھوں نے تمہارے بھائی کو مار ڈالا" وہاں خون ہی خون تھا اور وہ۔"

وہ بولتے بولتے اس قدر خوفزدہ ہوئی کہ اس کے وجود پر لرزہ طاری ہو گیا۔ زینب نے لب بھینچ کر ایک تیز نظر علی شاہ پر ڈالی۔ شاید اس کے لاشعور کے مناظر نے شعور کے دروازے پر دستک دینا شروع کر دی تھی۔ وہ اسے تسلی دیتے ہوئے اس کی پشت تھپکنے لگی۔

علی شاہ بے حد سنجیدہ تاثر لیے وہاں سے پلٹ گیا۔

♣ —— * —— ♣

"تم ذرا بی بی جان کے کمرے میں چلی جاؤ۔ مجھے ارمغان سے کچھ ضروری بات کرنی ہے۔"

آج کتنے ہی دنوں کے بعد وہ اس سے مخاطب ہوا تھا۔ ارمغان بھی اس کے ساتھ تھا۔

"کیا میں وہ ضروری بات نہیں سن سکتی؟" وہ قدرے تیکھے انداز میں بولی۔ تو وہ نفی میں سر ہلاتا اپنی جیکٹ اتارنے لگا۔ وہ تلملا کر پیر پٹختی باہر نکل گئی۔

"مجھے سو فیصد یقین ہے کہ میری تمام باتیں سننے کے بعد تم میرا ساتھ دو گے۔" علی شاہ نے بے حد پرسکون انداز میں بات شروع کی تھی۔ مگر اس سے آگے زینب ایک لفظ بھی نہیں سن سکی کیونکہ دروازہ اندر سے بند کر کے کیسٹ پلیئر آن کر دیا گیا تھا۔

وہ جھنجلا کر دروازے کے پاس سے ہٹ گئی۔

دل میں الجھن سے زیادہ بے کلی اور بے صبرا پن بھر گیا تھا۔

کیا کہنا ہو گا بھلا علی شاہ کو لالے سے؟

یہی کہ وہ ملنہ کو بھول جائے مگر نہیں یہ بات تو انھوں نے سرے سے ختم ہی کرا دی تھی۔

پھر؟ یہ دروازہ بند کر کے ایسی کون سی رازکی بات کر رہے ہیں؟

کتنی ہی دیر سوچنے کے بعد اس کا سر درد سے پھٹنے

نکلا تو وہ کچن میں چلی گئی۔ ملنہ رات دیر کے اٹھی تو پھر صبح کے قریب سوئی تھی اور ابھی تک نہیں جاگی تھی۔ ورنہ وہ اس سے ارسلان کے بارے میں دو ٹوک بات کرنے پر تلی تھی۔

اس نے اپنے لیے چائے کا پانی چولہے پر رکھ دیا۔ ذہن تھا کہ اب بھی منصوبے قائم کرنے اور انہیں رد کرنے میں مصروف تھا۔

بی بی ابھی کچن میں ناشتا بنا رہی تھی۔

نور بی بی کی آمد بے حد اچانک تھی۔ اس کی دھڑکن یکلخت تیز ہو کر تھم سی گئی۔

"ناشتا نہیں بنا رہی میں۔" وہ فوراً سنبھل گئی۔

"ہلے... چائے کے پانی پر" نظر پڑتے ہی نور بی بی نے تنبیہی انداز میں سہلایا تھا پھر ناصحانہ انداز میں بولی۔

"بی بی جی میں نے آپ کو کتنی بار کہا ہے کہ لسی پیا کریں۔ اتنی سوہنی رنگت کملا کے رہ گئی ہے۔"

"دنیا میں صرف چائے ہی نہیں بہت سی ایسی باتیں بھی ہوتی ہیں جو رنگت کو کملا دیتی ہیں نور بی بی۔"

اس کے انداز میں خفیف سی تلخی جھلک رہی تھی۔ توے میں وہ شامل کر کے اس نے ساس پین کو پلیٹ سے ڈھانپ دیا۔

"ہوئے... یہ کیا بات ہوئی۔ باتوں سے بھلا کیا ایسے کلیجہ جلتا ہو گا جیسے اس موئی سے جلتا ہے۔"

وہ قدرے ناراضگی سے بولی تھی۔ زینب نے گہری سانس لے کر اسے دیکھا۔ مختصر وجود کی ڈھلی چگی سانولی سی پچپن سالہ نور بی بی نجانے کب سے حویلی میں [illegible] بخش کی [illegible] اور یہ زینب ہی کا نہیں بلکہ سب کا خیال تھا [illegible] کا کوئی [illegible] آخر [illegible]

"کسی کی [illegible] سے یہ چائے ہر حال میں بہتر ہے نور بی بی۔ کبھی پی کر تو دیکھو۔"

وہ اب اسے چھیڑنے والے انداز میں کہہ رہی تھی۔ نور بی بی نے کانوں کو ہاتھ لگائے تھے۔

"نہ جی نہ میرے تو باپ کی بھی توبہ۔ اک بار میں نے چکھی تھی۔ اس سے تو اچھی حکیم صاحب کی دوائیں ہوتی ہیں۔ کوئی فائدہ تو ہوتا نہیں الٹا نقصان کا۔"

زینب اپنی ہنسی روکتے ہوئے چائے کپ میں انڈیلنے لگی۔

نور بی بی کی باتوں میں مگن ہو کر ذہنی و دلی کیفیت میں ذرا سی تبدیلی آئی تھی۔

"ملنہ جاگ گئی ہے کیا؟" وہ وہیں کیبنٹ سے ٹیک لگا کر کھڑی ہو گئی۔

"ہاں جی۔ بی بی جان نے ناشتا بنانے کو کہا ہے۔"

وہ سر ہلا کر چائے کے گھونٹ بھرتی باہر نکل گئی۔ اس نے چند لمحے اپنے کمرے کے آگے رک کر کن سن لینے کی کوشش کی تھی مگر اندر سے وہی میوزک کی آواز آ رہی تھی۔

"ہنہ۔" وہ سر جھٹک کر بی بی جان کے کمرے میں چلی گئی۔

"اب کیا حال ہے؟"

اس نے کسلمندی سے بی بی جان کی گود میں سر رکھے لیٹی ملنہ سے پوچھا تھا وہ ہولے سے مسکرا دی۔

"ٹھیک ہوں ملنہ تمہارا ساؤنڈ سسٹم کتنا اسٹرونگ ہے۔" زینب نے شرارت سے کہا تو وہ خفگی سے اسے دیکھنے لگی۔ بی بی جان زینب کی آمد کو غنیمت جان کر باتھ روم جانے کے لیے اٹھ گئیں۔

"تمہیں اگر اتنا ڈراؤنا خواب دکھائی دیتا تو میں پوچھتی تم سے۔"

"میں بہت بہادر ہوں۔ اتنے دنوں سے تمہارے بھائی کے ساتھ بھی تو گزارہ کر رہی ہوں۔"

اس نے کمال بے نیازی سے شانے اچکائے تھے۔

"کیا...؟" ملنہ چلائی تھی۔

"صحیح کہہ رہی ہوں۔ ایک میں ہوں جس کو دو بچے کے قتل اور ایک تمہارا بھائی ہے ڈراؤنا خواب۔" وہ بے حد شرارت سے بولی تو ملنہ نے

ایک دم کو جڑ دیا۔ زینب نے بوکھلا کر بمشکل چائے کا کپ چھلکنے سے بچایا تھا۔

"بے شرم نہیں آتی میرے اتنے خوبصورت بھائی کے متعلق ایسے فضول ریمارک دیتے ہوئے۔"

علینہ نے اسے گھورا تھا۔ وہ تمسخر اڑانے والے انداز میں ہنسی۔

"ہونہہ خوبصورت؟ شاید تم خوف صورت کہنا چاہ رہی ہو۔"

"میں بھائی کو بتاؤں گی۔" علینہ نے اسے دھمکایا تو وہ ہنستی ہوئی چائے پینے لگی۔

"زینی۔" چند لمحوں کی خاموشی کے بعد علینہ نے پرسوچ انداز میں اسے پکارا تھا۔

"ہوں۔" اس کی پوری توجہ چائے کی طرف تھی۔

"پتہ ہے رات کو خواب میں ارمغان نہیں تھے۔"

اس نے قدرے الجھتے ہوئے کہا تو وہ چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

"وہ کوئی اور تھا؟" "وہ ابھی۔ اس کی شکل مجھے یاد نہیں اس کا چہرہ اندھیرے میں تھا۔ مگر اس کی آواز بے حد شناسا سی تھی۔ مجھے لگ رہا تھا کہ میں اسے بہت اچھی طرح جانتی ہوں مگر مجھے اب یاد نہیں کہ وہ کون تھا؟"

زینب نے دھڑکتے دل کے ساتھ اسے دیکھا تھا۔ پھر بے حد محتاط انداز میں بولی۔

"ذرا ذہن پہ زور دو شاید یاد آجائے؟"

"نہیں۔" اس نے بے بسی سے نفی میں سر ہلایا۔ "بس اس کا لہجہ گونجتا ہے میرے ذہن میں۔ اور بس۔"

بہت کھوئے ہوئے انداز میں بولی تو زینب ترحم سے اس کی زرد پڑتی رنگت کو دیکھنے لگی۔

پتہ نہیں دونوں ایک دوسرے کو کتنا چاہتے ہوں گے اور ملی شاہ تم نے ان کے ارمانوں کو آگ لگا دی۔ جس کے سر سے سہاگ کا آنچل چھین کر بیوگی کی چادر

ہی نہیں اور معافی بلکہ اس کو سب کے لیے امتحان و ابھی بنا دیا۔

نور بی بی ناشتا بنا کر لے آئی تو اس نے بھی علینہ اور بی بی جان کے ساتھ ناشتا کر لیا۔

"فضل شاہ نے ناشتا کر لیا؟" بی بی جان نے پوچھا تو لقمہ زینب کے حلق میں اٹکنے لگا۔

"نہیں۔ ادا ارمغان آئے ہوئے ہیں۔ ان سے باتیں کر رہے ہیں۔"

اس نے جواب دیتے ہوئے اچٹتی نگاہ علینہ پر ڈالی تھی۔

"نور بی بی چھوٹے سائیں سے بھی پوچھ لینا۔"

بی بی جان نے نور بی بی کو تلقین کی تو وہ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے برتن سمیٹنے لگی۔ زینب اٹھ کھڑی ہوئی۔

"میں پوچھتی ہوں جا کر۔"

وہ باہر نکلی تو راہداری میں ہی ارمغان سے ٹکراؤ ہو گیا۔ زینب نے بے اختیاری اس کے تاثرات جانچے تھے۔

"خیریت تو تھی؟"

"ہوں۔ میں چلتا ہوں اب۔"

اس کی زبردستی کی مسکراہٹ زینب سے چھپی نہیں رہ سکی۔ اس کی آنکھوں کی مخصوص چمک مفقود تھی۔

"ادا پلیز۔" وہ ملتجیانہ انداز میں اس کا ہاتھ تھام گئی۔ "کیا بات ہوئی ہے؟" اس کا انداز روہانسا ہو گیا تھا۔

"ارے پاگل۔" وہ ہنس دیا تھا۔ "یقین مانو سب کچھ بالکل ٹھیک ہے۔"

"انہوں نے آپ سے کیا کہا ہے؟" جھک کر پوچھا تو ارمغان کے چہرے پر سرخی سی دوڑ گئی۔ پھر اس نے ہاتھ سے زینب کا سر تھپکا تھا۔

"کوئی ایسی خاص بات نہیں اور ہاں پرسوں تیار رہنا۔ ہم کہیں سیر کرنے چلیں گے۔"

اس نے جیسے یاد آنے پر آفر کی تھی۔ زینب ایک

تک اسے دیکھنے لگی۔ سب کچھ ٹھیک ہوتے ہوئے
بھی اسے کچھ غلط لگ رہا تھا۔
"ہم کون؟"
"تم میں اور ملنے۔" وہ قدرے گم سا گیا۔
زینب نے تعجب سے اسے دیکھا۔
"ملنے؟ کس نے کہا آپ سے؟"
"منع بھی کسی نے نہیں کیا۔ بس تم تیار رہنا علی
بحث بہت کرتی ہو۔" وہ فریش دکھائی دینے کی کوشش
کر رہا تھا مگر اس کے چہرے کا پھیکا پن زینب کو اچھی
طرح محسوس ہو رہا تھا۔ وہ پیار سے اس کا سر تھپک کر
باہر نکل گیا۔
وہ فکر میں غرق تھی۔
"کیا رزلٹ نکلا ہے جذباتی اثرات کا؟
تو کیا علی شاہ کو اپنے فیصلے کی غلطی کا احساس ہو گیا
ہے؟"
خوشی اور سرمستی کی لہر اس کے وجود کو سنسنا گئی۔
وہ جیسے ہی اپنے کمرے میں آئی تو علی شاہ کو بستر پر
نیم دراز اضطراری انداز میں پیر ہلاتے دیکھ کر ٹھٹک گئی۔
اس کی شکل نظر آتے ہی تمام الفاظ گم ہو گئے۔
کچھ سمجھ ہی نہیں آیا کہ کیا پوچھنا ہے اور کیا نہیں۔
"ناشتا لاؤں آپ کے لئے؟"
"ہوں۔" وہ چونکا تھا۔ اس کی آنکھوں کی سرخی
زینب سے چھپی نہیں رہ سکی پھر وہ اٹھ بیٹھا اور
قدرے توقف سے بولا۔
"نہیں، تم ادھر آؤ۔"
اس کی فرمائش اس قدر غیر متوقع تھی کہ وہ اپنی
جگہ پر جم سی گئی۔
[illegible] نہیں [illegible] سمجھوں کہ
تم شاید [illegible]
قدرے [illegible] سنجیدہ
فاصلے [illegible] بڑھ گئی اور اس کے کان
[illegible]
[illegible] کہ اب میں تمہارے لئے کوئی اہمیت نہیں
رکھتا مگر دل کو تسلی بھی تو ضروری ہے۔" وہ شروع ہوا
تھا۔ زینب بے ترتیبی سے دھڑکتے دل کے ساتھ بہت
دھیان سے اسے دیکھنے لگی۔
"مگر ہم ساتھ نہ رہ سکے میرا مطلب ہے کہ تو کیا
تم میرے بغیر رہ لو گی؟"
وہ بہت عجیب سے لہجے میں پوچھ رہا تھا۔ زینب کا
دل تھم سا گیا۔ آنکھوں کے آگے اس قدر تیزی سے
دھند چھائی کہ علی شاہ کے نقوش گڈمڈ ہونے لگے۔
"کیسے رہوں گی؟" وہ اس کے چہرے پر نظریں
جمائے ہوئے تھا۔ زینب کو کچھ کہنے کے لئے اپنی تمام
ہمت اور حوصلہ مجتمع کرنا پڑا۔
"ویسے ہی جیسے ملنے رہ رہی ہے۔"
قیامت کا سوال تھا تو جواب میں بھی ہزاروں
طوفان چھپے تھے۔
آہستہ آہستہ علی شاہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ
پھیل گئی۔
"تھینک گاڈ میں تو سمجھ رہا تھا کہ زندگی میں تو تم
نے اس قدر بے رخی سے کام لیا ہے میرے مرنے کے
بعد بھی یونہی۔"
"فضول۔" وہ یکلخت چیخ پڑی تھی۔
"کیا فضول؟" وہ رونے لگی۔ "پہلے ہی کون سا
آپ نے ایسا میری زندگی کو گل و گلزار بنا دیا ہے جو اب
ایسی باتیں کر رہے ہیں۔"
"تم نے کہا تھا کہ میں نے تمہاری راہوں میں
کانٹے بکھیر دیے ہیں۔ سات سمندر حائل کر دیے ہیں
اپنے اور تمہارے بیچ۔" وہ اسے یاد کرا رہا تھا۔
"آپ اگر ان کانٹوں کو چنتے ہوئے میری انگلیاں
فگار ہوں یا میں بیچ سمندر ڈوب جاؤں تو وہ بات نہیں
بس میری تصویر کے آگے کھڑے ہو کر اپنی محبت کا
اعتراف کر لیجئے گا۔"
"خدا کے لئے علی شاہ۔" اس نے تیزی سے
اس کی بات کاٹ دی تھی۔
"کتنے سنگدل ہیں آپ اگر سکون نہیں دے
سکتے تو پھر زہریلے الفاظ کے تیر تو نہ چلائیں۔"
وہ بے بسی سے آنسو بہا رہی تھی۔

بہت تقویت دے رہا ہے تمہارا رونق لگ رہا
ہے کہ تم مجھے بہت چاہو گی۔"

وہ بہت خوشدلی سے کہہ رہا تھا۔ اس کی ورگوں
مطلق اثر نہیں تھا اس کے برعکس انداز
حالت کا اس پر
میں طمانیت سی بھری تھی۔

"آپ تو یہی چاہتے ہیں کہ میں ہمیشہ روتی ہی
رہوں۔ یوں بھی ایسی کون سی خوشی دی ہے آپ نے
مجھے کہ میں ہنسنے سے متعلق سوچ بھی سکوں۔" وہ
آنکھیں رگڑتے ہوئے خفگی سے کہہ رہی تھی۔

"میں تو چاہتا تھا کہ تمہیں ایک نہیں چار پانچ
خوشیاں دوں، مگر تم نے تعاون نہیں کیا۔"

وہ بات کو الٹے ہی انداز میں لے گیا۔ بات کو
سمجھتے ہوئے بھی نا سمجھی کا تاثر دینا زینب کو بہت مشکل
لگا۔ اس کے چہرے پر سرخی دوڑ گئی تھی۔

"کسی نہ کسی کو تو قربانی دینا ہی پڑتی ہے۔ بارش کا
پہلا قطرہ بننا پڑتا ہے۔ اس کے بعد موسلا دھار بارش
شروع ہوتی ہے زینو۔" وہ اب بے حد سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔
اس کا ہر لفظ زینب کے دل کو پرخوف شکنجے میں جکڑتا چلا
جا رہا تھا۔

"اور پھر تمہارے سامنے بھی تو سرخرو ہونا
ہے۔"

وہ معنی خیز انداز میں بولا تو وہ بے بسی بھری خاموشی
سے اسے دیکھ کر رہ گئی۔

◆ — * — ◆

ارمغان انہیں گاڑی میں لے کے پہلے باغ میں گیا۔
کچھ وقت وہاں گزارا اور اس کے بعد وہ انہیں فارم
ہاؤس لے گیا۔

شام ڈھلے وہ لوگ وہاں سے لوٹ رہے تھے۔
"کتنا عجیب سا دن ہے۔ ذرا بھی مزہ نہیں آیا۔"
[illegible] لگی۔
ملنہ نے اس کے دل کی بات کی تھی۔ ارمغان
کی بے حد خاموشی [illegible] وہ الگ تھلگ
رہا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ ملنہ نے بھی بے حد
محسوس کیا تھا۔

"کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک بے حد برا
دن گزرنے کے بعد یکلخت کوئی بہت بڑی خوشی مل
جاتی ہے۔"

وہ بظاہر بہت عام سے انداز میں بولا۔ مگر زینب کو
اس کے لہجے کا پھیکا پن بہت محسوس ہو رہا تھا۔ اس نے
بے اختیار دل ہی دل میں بھائی کی خوشیوں کے لئے دعا
کی تھی۔

"ذرا جلدی کریں۔ رات ہو رہی ہے۔"

"کوئی بات نہیں۔" اس نے سر جھٹکا تھا۔ "ہر سفر
کو زندگی کا آخری سفر سمجھ کر انجوائے کرنا چاہئے۔"

"خدا نہ کرے۔" ملنہ نے جھرجھری لی تھی۔
"ہر سفر کو زندگی کا پہلا سفر سمجھ کر بھی تو انجوائے کیا
جا سکتا ہے نا۔"

"ہاں۔" اس نے گہری سانس لی۔ "تم واقعی یہ
سوچ سکتی ہو۔"

"یعنی آپ کا مطلب ہے کہ ملنہ۔"

زینب بحث کرنے والے انداز میں کچھ پوچھنا چاہ
رہی تھی کہ اچانک گاڑی کو لگنے والے جھٹکے پر اس کی
چیخ نکل گئی۔ سیاہ جیپ نے ان کی گاڑی کا راستہ روک
لیا تھا۔

"اور یہ تو علی بھائی ہیں۔" ملنہ نے اطمینان کی
سانس لی تھی۔ زینب کی رکی سانسیں بھی بحال
ہو گئیں۔

علی شاہ کے پیچھے ریو بھی تھا مگر سب سے زیادہ
حیرت کی بات ان کے جارحانہ انداز اور ہاتھوں میں
تھامے ہتھیار تھے۔ زینب بے حس و حرکت بیٹھی رہ
گئی۔ جبکہ ملنہ کے وجود میں عجیب سی سنسناہٹ دوڑ
اٹھی۔ علی شاہ نے فرنٹ ڈور کھول کر ارمغان کو باہر نکالا
تھا۔

وہی رات کا اندھیرا، فضا کی پراسراریت اور بے
رحم چہرے۔ اس کے دماغ میں چیونٹیاں رینگنے
لگیں۔ زینب چیختی ہوئی باہر نکلی تھی۔

"علی شاہ یہ کیا کر رہے ہیں آپ؟"

"شٹ اپ۔" اس پر جیسے خون سوار تھا اس

نے بے دردی سے اسے پرے دھکیل دیا تھا۔
علینہ چیخیں چلا رہی تھی مگر اس کی زبان جیسے
تالو سے چپک گئی تھی۔ "تمہیں منع کیا تھا نا کہ علینہ سے دور
رہنا۔"
وہ سر ہلاتے ہوئے لہجے میں کہہ رہا تھا۔
"تمہارے کہنے کی کوئی اہمیت نہیں ہے علی۔ میں
وہی کرتا ہوں جو میرا دل چاہتا ہے۔"
"اور میں بھی وہی کرتا ہوں جو میرا دل چاہتا
ہے۔" علی شاہ نے سفاکی سے کہتے ہوئے کلاشنکوف کی
نال اس کے سینے سے لگائی تھی۔
"بھائی۔" علینہ کے ہونٹوں نے بے آواز حرکت
کی تھی۔ ذہن میں سنسناہٹ دیواروں کی اور [illegible] وجود
کی شکل اختیار کر رہے تھے۔
"اور میں فقط علینہ کو چاہتا ہوں۔" ارمغان نے
بے حد بے باکی سے اعتراف کیا تھا۔ زینب دم بخود تھی
اس کے ہاتھ پیروں میں اتنی بھی طاقت نہیں رہی تھی
کہ وہ علی شاہ کو روک سکتی۔
"بھائی۔ اس کا کوئی قصور نہیں۔"
وہ بے اختیار چیخی تھی۔ جیسے خود سے اختیار کھو
دیا ہو۔ علینہ جانے منظر نے شعور کا دروازہ لاشعور
کے لیے کھول دیا تھا۔
"اسے چھوڑ دیں بھائی۔ اسے کچھ مت کہیں۔"
وہ تیزی سے دروازہ کھول کر نیچے اتری تھی۔
"اسے مت ماریں بھائی اس نے کچھ نہیں کیا۔"
اسے خود بھی پتہ نہیں چل رہا تھا اور اس کے
آنسو بہتے جا رہے تھے۔
"میں تمہیں بھی زندہ گاڑ دوں گا اور اسے بھی۔"
[illegible]
"اجلال۔" اس کے حلق سے تیز اور دلخراش چیخ
آزاد ہوئی تھی۔ وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے اوندھے منہ

کر کے ارمغان کو دیکھ رہی تھی۔
"اجلال۔ اجلال۔" دل و دماغ جو شدید اذیت
[illegible] وحشت و خوف
نے اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ وہی [illegible]
اسے حواس کی دنیا میں لا رہا تھا۔
یہ کیا ہو گیا تھا [illegible] جہنم کا دہانہ کھل گیا تھا۔
اس کے شعور نے اسے کچھ لمحے کی اس سیاہ
رات میں پہنچا دیا۔
وہ لوگ بے دردی سے اجلال کو مار رہے تھے۔
وہ اپنے خون میں بھیگ رہا تھا۔ اس کی سفید شرٹ
لہولہان ہو رہی تھی۔ وہ اپنے بھائیوں کے پاؤں پکڑ رہی
تھی گڑگڑا رہی تھی۔
اور وہ۔
ہاں وہ علی شاہ ہی تھا۔ اس قدر سفاک جس کو جان
سے زیادہ عزیز رکھنے والا بھائی۔
وہ علی شاہ ہی تھا اس کی دنیا اجاڑنے والا۔
"بھائی آپ نے۔ آپ نے مار ڈالا اجلال کو۔ مار
ڈالا آپ نے اسے۔"
اس کا انداز ہذیانی تھا۔ اپنے حلق سے اٹھنے والی
دلخراش چیخوں پر اسے اختیار نہیں رہا تھا۔ وہ علی شاہ کو
مار رہی تھی نوچ کھسوٹ رہی تھی۔
سب دم سادھے ہوئے تھے۔ وہ حواس کھو کر بے
گرتی چلی گئی مگر زینب اس وقت منجمد آنسو لیے
بے مرجانے کے قریب تھی۔ اس کی نظروں کے
سامنے ارمغان۔ اس کا اور ارمغان اٹھ کھڑا ہوا تھا۔
وہ بے اختیار آگے بڑھی اور اس کے وجود کو
ٹٹولنے لگی۔
"اور۔"
اس سے لپٹ کر وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔
علی شاہ نے علینہ کو اٹھا کر گاڑی کی پچھلی سیٹ پر
لٹا دیا۔
"میں بالکل ٹھیک ہوں۔ چلو گاڑی میں بیٹھو۔"
ارمغان نے جلدی کا مظاہرہ کیا تو وہ آنکھ
پوچھتی چیخ اٹھی تھی۔
"یہ کیا کر رہے ہیں آپ لوگ؟ کیوں [illegible]

کر رہے ہیں آپ اسے؟" اس کو زبردستی گاڑی میں بٹھاتے ہوئے ارمغان نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی تھی۔ علی شاہ چپ کا سا رخ موڑ رہا تھا۔

ارمغان نے اس کی تقلید میں گاڑی کی اسپیڈ بڑھا دی۔

"یہ بھی ایک طریقہ علاج ہے۔ اگر اسے اجلال کا چہرہ یاد آگیا ہے تو باقی سب کچھ یاد آجائے گا۔"

ارمغان نے ونڈ اسکرین پر نظر جمائے بے تاثر انداز میں وضاحت کی تو اس کی سانس رکنے لگی۔

"میرے خدا۔ یہ کیا کر رہے ہیں آپ لوگ؟ پہلے تو سب کچھ بھول کر یوں ابھی بن کر وہ زندہ رہ لی تھی مگر اب جبکہ وہ اپنی اجڑی ویران زندگی دیکھے گی تو مر جائے گی۔"

"صحیح کہتا ہے علی شاہ تم بیوقوفی کی حد تک جذباتی لڑکی ہو۔ بغیر حالات کو جانے انتہائی فیصلے صادر کرنے والی۔"

اس کے ہونٹوں پر مدھم سی مسکراہٹ پھیل کر معدوم ہو گئی تھی۔

"کیا علی شاہ کو یہ نہیں معلوم کہ اب وہ علینہ کو جواب دہ ہو گا۔ کیا بتائے گا وہ کس کے مار ڈالا اس نے اجلال کو۔"

"بکواس!" اس کی چیختی آواز پر ارمغان نے ناگواری سے اسے دیکھا تھا۔ "اور اب بھی علی شاہ کا دعویٰ ہے کہ تمہیں اس سے محبت ہے۔ ربش۔"

"مجھے کسی خیالی وجود سے محبت نہیں ہے۔"

وہ بے قابو ہو رہی تھی۔ آنسو تھے کہ اڈے چلے آ رہے تھے۔

علی شاہ جن حالات کا شکار ہونے والا تھا وہ ابھی سے اسے تکلیف دینے لگے تھے۔

"اور اب ہم [illegible] کے لیے قابل [illegible] اس نے [illegible] چھت پر سر ٹکا دیا تھا۔

ارمغان گہری سانس لے کر اطمینان سے ڈرائیونگ کی طرف متوجہ ہو گیا۔

علینہ کو فوری ٹریٹمنٹ دی گئی تھی۔ ارمغان اجلال پر تو تمہیں تنہا کبھی وہ خود اسے دیکھ رہا تھا۔

"بہوری خنک اڑا لوگے۔" اس نے کوریڈور میں آتے ہوئے علی شاہ کا شانہ تھپکا تھا۔ "اب ہوش میں ہے۔"

"کیا خیال ہے وہ برداشت کر سکے گی؟"

علی شاہ کی پیشانی پر شکن تھی۔

"ابھی تو اجلال انجکشن کا اثر ہے اس لیے بالکل خاموش ہے۔ کچھ کہا نہیں جا سکتا۔ یہ تو طے ہے کہ ری ایکشن بہت شدید ہو گا۔ خوشی اور غم غیر متوقع ہوں تو کچھ بھی ہو سکتا ہے۔"

"زینب اس کے پاس ہی ہے؟"

وہ کچھ سوچ کر پوچھنے لگا تھا۔ اس کا مطلب سمجھ کر ارمغان پلٹا تھا۔

"میں بھیجتا ہوں اسے باہر۔"

اس کی شکل سے لگ رہا تھا کہ وہ بمشکل باہر آئی ہے۔ ارمغان کو اشارہ کرتے ہوئے وہ زینب کا ہاتھ تھامے باہر کی طرف چل دیا۔

"یہ کہاں جا رہے ہیں ہم؟"

"کہیں نہیں ذرا باہر لان میں۔"

"آپ کو ان حالات میں بھی تفریح سوجھ رہی ہے۔" اس نے دانت پیس کر کہتے ہوئے اپنا ہاتھ چھڑانا چاہا تھا مگر اس کی گرفت مضبوط تھی۔ مجبوراً اس کے ساتھ اسے لان میں آنا ہی پڑا۔ جہاں رات کو بھی دن کا سا سماں تھا۔ ٹیوب لائٹس اور بلب آن تھے۔

وزیٹرز لان کی گھاس اور سنگ مرمر کے بینچوں پر براجمان تھے۔ کہیں چہروں پر پریشانی تھی تو کہیں خوشیاں لگ رہی تھیں۔ وہ اسے لیے قدرے کارنر میں چلا آیا۔ جہاں قدرے تاریکی تھی۔ اسے بینچ پر بٹھا کر وہ خود بھی اس کے ساتھ بیٹھ گیا تھا۔

زینب کا انداز بہت نپا تلا سا تھا مگر بہت جلد علی شاہ کو اندازہ ہو گیا کہ وہ رو رہی تھی مگر اس نے کچھ کہنے کی کوشش نہیں کی۔ یونہی سامنے لوگوں پر نظر جما دی۔

"اب تو تمہیں خوش ہونا چاہیے کہ وہ ٹھیک ہو

ہے۔"

چند لمحوں کی خاموشی کے بعد وہ بے تاثر آواز میں بولا تھا۔

"بہت وحشی اور سفاک انسان ہیں آپ۔" اس کی آواز دھیمی مگر غضب سے پُر تھی۔ "آپ جانتے ہیں کہ یوں جینا اس کے لیے کتنا تکلیف دہ ہوگا۔ اجنبیت کی دنیا میں اتنا تو سکون تھا کہ وہ ہم سب سے محبت کرتی تھی۔ کسی سے خوفزدہ نہیں تھی۔ اور پہلے تو شاید اسے اس کی شادی کے بعد سب ٹھیک ہو جاتا مگر اب اس کا پہلا سوال اجلال کے بارے میں ہوگا اور آپ مجرم ٹھہریں گے۔"

وہ بہت نفرت آمیز تلخی سے کہہ رہی تھی۔ آنسو اس کے چہرے کو دھوتے چلے جا رہے تھے۔ وہ ایک ٹک اسے دیکھ رہا تھا۔

"کیا اب بھی تمہارا وجدان کچھ نہیں کہتا میرے متعلق؟"

اس کا لہجہ عجیب سا ہو رہا تھا۔ زینب تنفر سے سر جھٹک کر رخ بھی بدل گئی۔

"کاش میں بھی لوا کیر اور لوا عمر جیسا ہوتا تو تمہیں مار ڈالتا۔"

وہ بہت سلگ کر گویا ہوا تھا۔ وہ چیخ گئی۔

"آپ بھی جو کچھ میرے ساتھ کیا ہے وہ کم نہیں۔ آپ تو ان دونوں سے بھی بڑھ کے ہیں۔"

"تمہارے ساتھ جو کچھ ہو رہا ہے وہ تمہاری اپنی مرضی، تمہاری اپنی خوشی ہے اور اس کا الٹی میٹم تم شادی سے پہلے ہی دے چکی تھیں۔"

علی شلو بے رخی سے بولا۔ اس کا انداز جتانے والا تھا۔

"آپ کے کاہلشن سے جو آپ کے ساتھ [illegible] اجلال کو کچھ ہو [illegible] میں آپ کو بھی [illegible] نہیں ہوں۔"

"ہاں۔ دیکھ رہا تھا میں اس وقت تمہاری بہادری۔ یوں لگ رہا تھا کسی نے تمہارے قدموں کے

اپنی ڈال دی ہو۔" وہ بھرپور تمسخر اڑاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ زینب لب بھینچ کر رہ گئی۔

* — * — *

دروازہ کھلنے اور پھر بند ہونے کی آواز بہت معمولی تھی۔ پھر بھی علینہ کی سماعت سے محفوظ نہیں رہ سکی مگر اس نے چہرہ موڑ کر آنے والے کو نہیں دیکھا۔ انجکشن کا اثر اب بھی ہلکی ہلکی غنودگی کی صورت باقی تھا۔ غم و اندوہ کے طوفان سے گزرنے کے بعد اب اس کے دل و دماغ پر بے حسی سی طاری ہو رہی تھی۔ یوں لگ رہا تھا زندگی ختم ہو گئی ہو۔ وہ بالکل بلینک ذہن لیے ڈرپ میں قطرہ قطرہ گرتے گلوکوز پر نظریں جمائے ہوئے تھی۔

کوئی اس کے بستر کے قریب آن رکا تھا۔

بے حد جانی پہچانی خوشبو نے تن کی آن میں علینہ کے ذہن کو جھنجوڑ کر رکھ دیا تھا۔

اس نے گویا کرنٹ کھا کر چہرہ موڑا تھا۔

وہی سیاہ آنکھیں۔

وہی ہونٹ اور ان پر تھی دھیمی سی مسکراہٹ۔

اس کا رواں رواں مکمل سرلیا۔

وہ پلکیں جھپکے بغیر اسے دیکھ رہی تھی۔

اس کی سفید شرٹ بے داغ تھی۔ خون کا ایک بھی دھبہ نہیں تھا۔

"میں نے تمہیں کہا تھا نا یہ لوگ مار ڈالیں گے تمہیں۔"

اس کا لہجہ بہت شکستہ اور نم تھا۔

"اور تم نے اتنی آسانی سے مجھے تنہا چھوڑ کے پہلے قدم پر ہی میرا ساتھ چھوڑ دیا۔" اس کی آنکھوں کے کنارے بھیگنے لگے تھے۔

اس کا تخیل اس قدر پاور فل ہو گیا تھا کہ اجلال کی شبیہ گویا زندہ حقیقت بن کر اس کے سامنے آ گئی تھی۔

اس کا جی چاہ رہا تھا کہ یہ زندہ تصور یونہی اس کی نظروں کے سامنے رہے اور اس کی سانس

وہ آگے بڑھا اور علنہ کا ہاتھ تھام لیا۔ وہی دھیمی سی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر پھیلی تھی۔

"اجلال! تم ہو؟؟"

وہ اس قدر محتاط تھی کہ زور سے بول بھی نہیں رہی تھی اور نہ ہی اپنی جگہ سے حرکت کر رہی تھی کہ کہیں یہ تصور ٹوٹ نہ جائے۔

"ہاں۔" وہ بے اختیار اس کے چہرے پر جھکا تھا اسے سو فیصد یقین تھا کہ یہ اسی کا لمس ہے۔

اس کی آنکھیں بند تھیں اور آنسو بے آواز بہے چلے جا رہے تھے۔

"میں جانتی ہوں۔۔۔ تم ابھی چلے جاؤ گے، میں آنکھیں کھولوں گی تو تم نہیں ہو گے۔ مت دو یہ فریب مجھے اجلال۔"

اجلال کی گرفت تھوڑی اور سخت ہوئی تو اس نے چونک کر آنکھیں کھول دیں۔

کیا تصور کا لمس اس قدر حقیقی ہو سکتا ہے؟

"اجلال؟؟"

وہ برافروختہ ہونے لگی۔ بے اختیار اس نے اٹھنے کی کوشش کی تھی۔

"نہ۔۔۔ نہیں۔" اجلال نے اس کے شانوں پر دباؤ ڈال کر اسے پھر سے لٹا دیا تھا۔ "تمہارا جوش ٹھیک نہیں۔ یہ میں ہوں تمہارا اجلال۔ اور یقین مانو میں نہیں جاؤں گا اب تمہیں چھوڑ کر۔"

وہ اسے اپنے ہونے کا پورا احساس دلا رہا تھا۔ اپنی آواز، لمس اور محبت سے حوصلہ دے رہا تھا۔ علنہ کو لگا ابھی جان نکلنے لگی ہو۔ اس کی سانسیں تیز اور دھڑکنیں بے ترتیب ہونے لگیں۔ اجلال نے فوراً دروازہ کھول کر ارمغان کو آواز دی تھی۔

چند لمحوں کے بعد اعصاب کو سکون دینے کے انجکشن کے …

"کیا ری ایکشن تھا؟" ارمغان اس کی طرف متوجہ ہوا تھا۔

"بہت شدید نہیں تھا شاید وہ مجھے تصور کا کرشمہ سمجھ رہی تھی۔" اجلال کی نظریں علنہ پر جمی تھیں جو اب بہت پرسکون سانس لے رہی تھی پھر قدرے توقف سے بولا۔

"میں نے بھی ایک دم سے کچھ بتانا مناسب نہیں سمجھا۔"

"اب ہوش میں آئے گی تو کافی بہتر ہو گی۔ اور اس وقت تمہیں اسی کمرے میں ہونا چاہیے۔" ارمغان اسے سمجھا رہا تھا۔

اجلال نے تفہیمی انداز میں سر ہلایا۔

"میں علی شاہ کو بھیجتا ہوں۔"

ارمغان چلا گیا تھا وہ گہری سانس لے کر پلٹا اور انجکشن کے زیر اثر محو خواب علنہ کو دیکھنے لگا۔

جو اس کی تھی اور ان میں سے کسی نے بھی نہیں سوچا تھا کہ وہ یوں بچھڑ جائیں گے۔

اس نے بے اختیار آگے بڑھ کر اس کی پیشانی پر مہر محبت ثبت کی تھی۔ زندگی میں پہلی بار اجلال کی آنکھوں میں نمی اتر آئی تھی۔

"اتنی محبت کرتی ہو مجھ سے کہ میرے سوا کسی کو پہچاننا بھی گوارا نہیں کیا۔" وہ کرسی اس کے بستر کے قریب کیے با آواز خاموشی اس سے محو گفتگو تھا جب دروازہ ناک کیا گیا۔ اس کے بعد دروازہ کھول کر علی شاہ اور زینب آگے پیچھے اندر داخل ہوئے۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ جبکہ زینب ایک اجنبی کو دیکھ کر کنفیوز ہونے لگی۔

"السلام علیکم۔"

اجلال کے سلام کرنے پر وہ ٹھٹکا کر علی شاہ کو دیکھنے لگی۔

"یہ اجلال ہے علنہ کا۔"

اس نے بے حد جتانے والے انداز میں تعارف کرایا تھا جو تھا تو ادھورا مگر زینب کا دماغ چکرا کر رہ گیا۔

"یہ تو انہیں تو آپ نے۔"

وہ اطمینان سے سینے پر بازو لپیٹتے ہوئے اسے دیکھنے لگا۔

"ویسے تو میں نے آج تمہارے ابا کو بھی مار ڈالا تھا۔"

علی شاہ کے ایک ہی فقرے میں تمام کہانی سمٹی ہوئی تھی۔ اسے اتنی شدت سے رونا آیا کہ حد نہیں۔ وہ الٹے قدموں پر واپس باہر نکل گئی اور کوریڈور میں پڑے تخت پر بیٹھ کر رونے لگی۔

◆ — ★ — ◆

"ہمیں سال لگے تو خوبرو کر کے حالات سے گھبرا کر نہیں جانا ہے مگر یہ سب بہت ضروری ہے اس سسٹم کو ایک دھچکا ضرور لگنا چاہئے۔ اگر بابا سائیں جیسے جاگیرداروں کو علم ہو گیا کہ ان کی بیٹیاں ہی نہیں بیٹے بھی ان رسومات سے برگشتہ اور بدگمان ہیں تو میں اکیلا نہیں بلکہ ہم سب واپس لوٹیں گے۔ ہو سکتا ہے بابا سائیں کے دل میں ہماری یاد بھی... سب اٹھائے تب ہم سب مل کر ان رسومات سے آزادی کا سورج دیکھیں گے۔ جس دن ان گھٹیا رسموں کے بادل چھٹیں گے تو ہم سویرا دیکھیں گے انشاءاللہ۔"

اس نے خود پر بے حد ضبط کرتے ہوئے ارمغان سے کہا اور اسے بانہوں میں بھینچ لیا پھر بابا جان کے نام خط دیتے ہوئے ایکبار پھر اسے تلقین کی۔

"میری بی بی جان کا خیال رکھنا۔ میں سب سے رابطہ رکھوں گا۔"

اور اب پی آئی اے کی فلائٹ پر اے ای کی طرف محو پرواز تھی۔

ارمغان بے حد دلگرفتگی اور شکستہ قدموں سے اپنی گاڑی کی طرف بڑھا اور ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔ سیلف میں چابی گھماتے ہوئے اسے کوئی خیال چھو کر گزرا تو اس نے جیب میں ہاتھ ڈال کر اپنا والٹ نکالا۔ بہت آہستگی سے اس نے والٹ کھولا تو اس میں علینہ کی بہت خوبصورت تصویر جگمگا رہی تھی۔ چند لمحوں تک اسے دیکھتے رہنے کے بعد اس نے تصویر باہر نکالی اور ...

"اب تم والٹ میں نہیں اس دل میں رہو گی علینہ فقط ایک خوبصورت یاد بن کر۔"

اس نے تھکے تھکے انداز میں گاڑی اسٹارٹ کی تھی۔

...سکون ماحول میں چاروں ایسے تھے جو جہاز کے ... چاروں آگے پیچھے ایک ہی لے ... خوفزدہ ... تھے وہ چاروں آگے پیچھے کی نشستوں پر براجمان تھے۔

"جغرافیہ تو نہیں فقط وہ تو بہت اچھا دوست تو ہمارا۔ پھر اس نے یہ غداری کیوں کی اجلال؟"

وہ بے حد دکھ سے پوچھ رہی تھی۔ اجلال نے نظر بھر کر اسے دیکھا پھر بولا۔

"اسے فقط دولت درکار تھی۔ تمہیں پتہ ہے وہ امریکہ کو خوابوں کی دنیا قرار دیتا تھا۔ بس اس غداری کے بدلے تمہارے بھائیوں نے اسے اسی خوابوں کی دنیا میں پہنچا دیا ہے۔ یہ تو علی شاہ کی سچائی اور خالص محبت تھی جو ہم پھر سے یوں محو سفر ہیں۔ میں نے تم سے کہا تھا کہ پہلے تم میرا دل اڑا لے گئیں اور اب مجھے اڑائے جا رہی ہو۔"

وہ بے حد شرارت سے کہہ رہا تھا۔ علیزہ کی شفاف ہنسی بیساختہ تھی۔ وہ قدرے اس کی طرف جھکا اور تشویش بھرے لہجے میں پوچھنے لگا۔

"وہ یاد ہے نا۔ سو نوافل اور کھیر کی دیگ۔"

"ہاں یاد تو ہے مگر کیا وہاں دیگ مل جائے گی؟"

وہ اثبات میں سر ہلا کر روانی میں بولی پھر اجلال کے ہنستے ہی اسے بھی ہنسی آ گئی۔

"اور اب تم مجھے جواب دو زینب علی شاہ۔"

اس نے زینب کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں پکڑتے ہوئے اس کی آنکھوں میں جھانکا تھا۔

"میں ہر سزا بھگتنے کو تیار ہوں علی شاہ۔ آپ وجود صاف شفاف ہے اس سے بڑھ کر مجھے اور کیا چاہئے۔ اب تو آپ مجھے مار بھی ڈالیں گے تو اف نہیں کروں گی۔"

وہ بے حد سچائی سے کہہ رہی تھی۔ "وہ سفاک علی شاہ کے لئے تھا۔"

"دیکھا پھر کر گئیں اپنی محبت کا اظہار۔" وہ مسکراتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ "جانتی ہو نا کہ تمہاری ذہانت نے مجھے دیوانہ بنا رکھا ہے۔"

"اور وہ جو لوا ہے کہا تھا آپ نے کہ؟" وہ ...

قدرے خفگی سے کہتے کہتے رک گئی۔ علی شاہ نے استفہامیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"یہی کہ میں بے وقوف ہوں۔" اس کی رنگت سرخ پڑنے لگی تھی۔

"تو ٹھیک کہہ رہا ہوں۔ بھلا اتنے خوبصورت لمحات اتنے خوبصورت دن یوں گنوا دیے۔"

وہ بہت معنی خیز انداز میں دھیمے لہجے میں کہہ رہا تھا۔ زینب اپنی شرمیلی مسکراہٹ چھپانے کے لیے کھڑکی کی طرف رخ موڑ گئی۔ علی شاہ نے طمانیت بھری سانس لی تھی۔

♣ — ✻ — ♣

بابا سائیں

علینہ کو میں نے بھائی نہیں بلکہ باپ بن کر اس کے شوہر کے ساتھ رخصت کیا ہے۔ یقین کریں کہ اس سے مراد آپ کی تضحیک کرنا نہیں بلکہ یہ قدم میں نے اس امر کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے اٹھایا ہے کہ میں روز محشر آپ کو خدائے بزرگ و برتر کی عدالت میں بری دیکھنے کی خواہش رکھتا ہوں۔ مجھے خوشی ہے کہ میں نے آپ کو ایک غلط قدم اٹھانے سے روک دیا ہے۔ اور میرے اس عمل سے یقیناً آپ کے شعور پر کاری ضرب لگے گی۔ اگر میں اپنی بہن سے محبت رکھتے ہوئے ایسا قدم اٹھا سکتا ہوں جو رائج بھی ہے اور جس کی ہمارا مذہب اجازت بھی دیتا ہے تو پھر خاندان میں اس معاشرے میں ایسے بہت سے علی شاہ اٹھ کھڑے ہونے چاہئیں جن کی بہنوں کو راندہ درگاہ بنا دیا جاتا ہے۔ کبھی انہیں ایک بارہ سال کے بچے سے بیاہ کر اور کبھی ان کا حق بخشوا کر ان کی زندگی کو قابل تضحیک اور قابل رحم بنا دیا جاتا ہے۔ کبھی کسی مرد کو ایک کمرے میں بند زندگی دے کر دیکھئے گا ضرور کہ جو بات میں [illegible] ہے۔

میں آپ کا بے حد احترام کرتا ہوں۔ آپ سے محبت کرتا ہوں۔ مگر [illegible] یہ جو بخشیں ہوتی ہیں نا بہت تکلیف دہ ہوتی ہیں دل سے محبت کو چرانے والی ہوتی ہیں۔ کڑی وہ ظلم بھی کرنے پر مجبور کرتی ہیں جو کبھی اس نے سوچا بھی نہیں ہو گا۔ لالا کبیر اور لالا عمر کو بدلنے کی کوشش ضرور کیجئے گا روز محشر یقیناً آپ انہیں معتبر دیکھنا چاہیں گے۔

اگر زندگی رہی تو انشاء اللہ ہم سب آپ کے پاس ضرور لوٹیں گے۔ آپ یقیناً ہم سب کو محبت سے گلے لگائیں گے۔

آپ کا بیٹا
علی شاہ

وہ خالی خالی نظروں سے کبیر شاہ اور عمر شاہ کو دیکھتے ہوئے صوفے پر ڈھے سے گئے۔

"میں تو پہلے ہی کہتا تھا وہ ہے ہی بے غیرت۔"

کبیر شاہ کف اڑاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ ان دونوں کا بس نہیں چل رہا تھا کہ علی شاہ ان کے سامنے آ جائے اور وہ اسے گولیوں سے بھون ڈالیں۔

"مجھے تو لگتا ہے اس کی رگوں میں بابا سائیں کا خون تھا ہی نہیں۔"

عمر شاہ نے نفرت سے تھوکتے ہوئے کہا۔

مگر حشمت شاہ ان کو سن ہی نہیں رہے تھے۔

روز محشر۔

خدا کی عدالت میں۔

کیا کہنا ہے وہاں مجھے؟

ان کے دل و دماغ میں بھونچال سا اٹھنے لگا تھا۔ وہ یکلخت اٹھ کھڑے ہوئے۔ ایک عمر کی گرد اتنی آسانی سے صاف ہونے والی نہیں تھی۔ "بے غیرت۔" وہ تنفر سے کہتے ہوئے کمرے سے نکل گئے۔ مگر اک سنسناہٹ اب بھی ان کے ذہن میں ہو رہی تھی۔

♣